۲۰۲۱ء بین الاقوامی مذہبی آزادی رپورٹ: پاکستان

انتظامی خلاصہ

آئین کی رو سے مملکت کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور یہ لازم ہے کہ تمام قوانین اسلام کی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔ آئین کی رو سے ہر شہری کو قانون اور اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے مذہب کا اقرار کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی ترویج کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ آئین یہ بھی واضح کرتا ہے کہ قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) سے وابستہ فرد غیر مسلم ہے۔ این جی اوز کے مطابق پولیس مذہبی اقلیتوں اور توہین مذہب کے ملزموں کے تحفظ میں ناکام رہی۔ عدالتوں نے توہین رسالت ﷺ اور دیگر متعلقہ قوانین کا نفاذ جاری رکھا، جن کے ارتکاب پر پھانسی تک کی سزا ہو سکتی ہے، اگرچہ حکومت نے کسی کو بھی توہین مذہب کے جرم میں تھنہء دار پر نہیں لٹکایا۔

سینئر فار سوشل جسٹس کے مطابق، جو کہ قومی غیر سرکاری تنظیم ہے، ۲۰۲۱ء میں ۸۴ لوگوں کو توہین مذہب کے مقدمات کا سامنا کرنا پڑا، جو کہ ۲۰۲۰ء میں ۱۹۹ لوگوں پر الزامات کی نسبت نمایاں کمی ہے۔ دیگر این جی اوز نے بھی ۲۰۲۱ء میں گزشتہ برس کی نسبت توہین مذہب کے الزامات میں کمی ہونے کا تخمینہ لگایا ہے تاہم وہ اعداد و شمار کی تصدیق نہیں کر سکیں۔ سول سوسائٹی کی اطلاعات کے مطابق توہین مذہب کے الزامات کا سامنا کرنے والے مجموعی افراد میں سے کم از کم سولہ لوگوں کو قتل کی دھمکیاں موصول ہوئیں۔ احمدی برادری نے اطلاع دی کہ سال کے دوران احمدیوں پر قائم کیے جانے والے توہین مذہب کے دو مقدمات کی سزا پھانسی کی صورت میں مل سکتی ہے۔ اُن کی جانب سے فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق ۲۰۱۹ء سے لیکر پاکستان کے توہین مذہب سے متعلق قوانین کے تحت احمدی برادری سے تعلق رکھنے والے ۶۱ لوگوں پر فرد جرم عائد کی جا چکی ہے۔ احمدی کمیونٹی کے رہنماؤں نے ایسی شکایتوں کا سلسلہ جاری رکھا کہ وہ امتیازی اور مبہم قانون سازی اور عدالتی فیصلوں کی وجہ سے اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہیں، جن میں قومی شناختی کارڈ، ڈرائیونگ لائسنس اور پاسپورٹ کا اجراء شامل ہیں۔ احمدیوں کو وزارت مذہبی امور کے ماتحت مذہبی اقلیتوں سے متعلق قومی کمیشن میں نمائندگی سے بھی محروم رکھا گیا۔ صوبہ پنجاب اور خیبر پختونخوا کی حکومتوں نے احمدیوں کے عقیدہ کو نشانہ بناتے ہوئے متعدد قوانین کی منظوری دی۔ احمدی برادری کے مطابق مذکورہ قوانین کے تحت پولیس نے سال بھر کے دوران احمدیوں کے خلاف ۴۹ مقدمات درج کیے۔ ملک بھر میں سارا سال بعض سرکاری حکام اور سیاست دان احمدیوں کے خلاف اُکسانے والی تقاریر میں شرکت کرنے اور تقاریر کرنے میں مصروف رہے، جن کے بارے میں احمدیوں نے الزام لگایا کہ وہ تقاریر اُن کی برادری کے خلاف تشدد پر اکساتی تھیں۔ این جی اوز نے اس امر پر تشویش کا اظہار کیا کہ رد عمل کے خوف، افرادی قوت کی کمی یا عدم دلچسپی کے باعث سرکاری حکام مذہبی اقلیتوں کے خلاف معاشرتی تشدد کے واقعات کے دوران مؤثر اقدامات اٹھانے میں اکثر و بیشتر ناکام رہے۔ غیر سرکاری تنظیموں کے مطابق مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد اور زیادتیوں کے مرتکب لوگ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی عدم دلچسپی، ملزمان کی طرف سے رشوت کی پیشکش اور متاثرہ افراد پر مقدمات واپس لینے کے دباؤ کی وجہ سے قانون کی زد میں

آنے سے بچ جاتے ہیں۔ تاہم حکومت نے مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کے لیے بعض اقدامات اٹھائے، جن میں تمام صوبوں میں اقلیتوں اور ان کی عبادت گاہوں کے تحفظ کے لیے خصوصی پولیس یونٹ کا قیام شامل ہے۔ پولیس اور سیکورٹی فورسز نے مذہبی تعطیلات کے دوران، مذہبی رہنماؤں کی مشاورت سے حفاظت کے لیے اٹھائے جانے والے اقدامات میں اضافہ کیا۔

سال بھر کے دوران نامعلوم افراد اور جتھوں نے عیسائی، ہندو، احمدی، اہل سنت اور اہل تشیع مسلمانوں کو نشانہ بنایا اور ان کو قتل کیا۔ یہ حملے مذہبی پس منظر یا توہین مذہب کے الزامات کے تحت کیے گئے۔ تین دسمبر کو پنجاب کے شہر سیالکوٹ کی ایک فیکٹری میں سینکڑوں مسلمان مزدوروں نے سری لنکا سے تعلق رکھنے والے عیسائی مینجر پر یا نٹھا کمار پر حملہ کیا۔ اس پر دائیں بازو کی سخت گیر مذہبی سیاسی جماعت تحریک لبیک پاکستان (ٹی ایل پی) کے پوسٹر اور اسلامی دعائیں ہٹانے کا الزام تھا۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق حملہ آوروں نے کمار کو مارا پیٹا، لائیں ماریں اور سنگسار کرنے کے بعد نعش کو آگ لگادی۔ وزیر اعظم عمران خان نے حملہ کو خوفناک قرار دیتے ہوئے اعلیٰ سطحی تفتیش کا حکم دیا۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق حکام نے حملہ کے بعد ایک سو افراد کو حراست میں لیا۔ دوسری جانب ۲۵ مارچ کو گلگت سے نلتر جانے والی مسافر وین پر مسلح حملہ آوروں کی فائرنگ میں چھ سٹی مسلمان ہلاک ہوئے۔

گیارہ فروری کو پشاور میں ایک نوجوان نے ایک احمدی حکیم عبدالقادر کو قتل کر دیا۔ دو ستمبر کو نکانہ صاحب، پنجاب، میں نامعلوم حملہ آوروں نے برطانوی اور پاکستانی دوہری شہریت کے حامل احمدی مقصود احمد کو قتل کیا۔ اگست ۱۹ کو بہاولنگر، پنجاب، میں اہل تشیع کے جلوس پر دستی بم سے حملہ میں تین افراد جاں بحق اور ۵۹ دیگر زخمی ہوئے۔ یہ اس علاقہ میں دو ماہ کے دوران ہونے والا تیسرا فرقہ وارانہ نوعیت کا حملہ تھا۔

مسلح فرقہ وارانہ گروہوں، بشمول تحریک طالبان پاکستان کے دھڑوں اور داعش خراسان نے شیعہ مسلمانوں، بشمول شیعہ اکثریتی ہزارہ کمیونٹی کو نشانہ بنانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ساؤتھ ایشیا ٹیررزم پورٹل (ایس اے ٹی پی) کے مطابق ۲۰۲۰ء کے مقابلہ میں مسلح فرقہ وارانہ گروہوں کے حملوں اور ان کے نتیجے میں ہونے والی ہلاکتوں میں اضافہ واقع ہوا جس کی وجہ سے دہشتگردی کے واقعات میں مجموعی کمی کا سلسلہ بھی پلٹ گیا۔ انسانی حقوق کے کارکنوں نے توہین مذہب کے الزامات پر پُر تشدد کاروائیوں، مختلف افراد کی طرف سے مذہبی اقلیتوں کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے، اجتماعی ہراسگی، امتیازی سلوک کا نشانہ بنانے اور مختلف مذہبی اقلیتوں کے اراکین کو تشدد کی دھمکیاں دینے کے کئی واقعات کی نشاندہی کی۔ سنی گروہوں نے پشاور اور کراچی میں ستمبر اور اکتوبر میں بڑی فرقہ وارانہ ریلیوں کا انعقاد کیا، جن کے مقررین نے شیعہ اور احمدیوں سمیت مذہبی اقلیتوں کو متنبہ کیا کہ اصحاب رسول کی شان میں گستاخی سے گریز کریں۔ این جی اوز نے مذہبی اقلیتوں خاص طور پر ہندو اور عیسائی لڑکیوں کو اغواء کرنے، انہیں زبردستی مسلمان بنانے اور ان کی مرضی کے خلاف ان سے شادی کرنے کے بڑھتے ہوئے واقعات پر تشویش کا اظہار کیا۔ سینئر فار سوشل جسٹس نے اکتوبر ۳۱ تک جبری طور مذہب کی تبدیلی کے ۴۱ واقعات کی نشاندہی کی۔ ہندوؤں، عیسائیوں اور قادیانی احمدی اقلیتوں کے مقدس مقامات، قبرستانوں اور مذہبی شعائر پر حملوں میں بھی اضافہ دیکھنے میں آیا۔ حکومت نے دہشت گردی کے خلاف نیشنل ایکشن پلان پر عملدرآمد جاری رکھا جس کے تحت انتہا پسندی اور فرقہ وارانہ نفرت انگیز تقاریر کے خلاف اقدامات اور اور شدت پسند تنظیموں کے خلاف فوجی اور قانون نافذ کرنے والے دیگر اداروں نے

کارروائیاں کیں۔ تاہم احمدی سول سوسائٹی تنظیموں کے مطابق حکومت احمدیوں کے خلاف حملوں پر افسانے والی تقاریر یا اشتہارات پر پابندی لگانے میں ناکام رہی، جیسا کہ نیشنل ایکشن پلان میں وضع کردہ ہے۔ سول سوسائٹی کی تنظیموں نے مذہبی اقلیتوں کی سلامتی کے حوالہ سے اپنے تحفظات کا اظہار بھی کیا۔ سول سوسائٹی کے کئی گروپوں اور اقلیتی مذہبی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ حکومت نے مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں کو تحفظ فراہم کرنے کی کوششوں میں اضافہ کیا۔

امریکی محکمہ خارجہ کے سینئر حکام، بشمول نائب وزیر خارجہ، ناظم الامور، قونصل جنرل اور سفارت خانہ کے دیگر اہلکاروں نے مذہبی آزادی کے امور پر تبادلہ خیال کے لیے حکومتی افسران اور وزیراعظم کے سینئر مشیروں، وزارت قانون و انصاف، وزارت خارجہ، وزارت داخلہ، وفاقی وزارت تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت اور وزارت مذہبی امور اور مذہبی ہم آہنگی کے حکام کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔ ملاقاتوں کے دوران توہین مذہب کے قانون میں اصلاحات، احمدیوں سے متعلق قوانین، تمام ترمذہبی اقلیتوں کے بہتر تحفظ کو یقینی بنانے کی ضرورت، مسلکی تعلقات اور مذہبی احترام جیسے معاملات پر گفتگو کی گئی۔

سفارتخانہ کے حکام نے سول سوسائٹی کے رہنماؤں، مقامی مذہبی اکابرین، مذہبی اقلیتوں کے نمائندوں اور ماہرین قانون کے ساتھ مسلسل ملاقاتیں کر کے عدم برداشت کے خاتمہ اور مذہبی رواداری کے فروغ کے ذریعہ مذہبی آزادی کو وسعت دینے کے امکانات پر تبادلہ خیال کیا۔ پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے امریکی عہدیداروں نے مذہبی اقلیتی نمائندوں، ارکان پارلیمان، انسانی حقوق کے کارکنوں اور وفاقی کابینہ کے ممبران کے ساتھ ملاقاتوں میں مذہبی اقلیتوں کے ساتھ سلوک، توہین مذہب کے قوانین کے نفاذ اور مذہب کی بنیاد پر روارکھے جانے والے دیگر نوعیت کے تفریق پر سلوک کو اجاگر کیا۔ سفارتخانہ نے سارا سال مذہبی آزادی اور باہمی احترام کے حوالے سے امریکہ میں ہونے والی مباحث پر مشتمل مواد سوشل میڈیا پر اجاگر کیا اور سال بھر کے دوران متعدد تقاریب کا انعقاد کیا۔

پندرہ نومبر کو وزیر خارجہ نے ۱۹۹۸ء کے ترمیم شدہ انٹرنیشنل ریلیجیئس فریڈم ایکٹ کے تحت دوبارہ پاکستان کو مذہبی آزادیوں کی سنگین خلاف ورزیوں کے حوالے سے خصوصی تشویش کا باعث ملک قرار دیا، جو ان خلاف ورزیوں میں ملوث رہا یا ان پر خاموشی اختیار کی۔ تاہم انہوں نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے قومی مفادات کے پیش نظر، پاکستان پر ان خلاف ورزیوں کے ساتھ عائد ہونے والی پابندیوں سے مستثنیٰ قرار دیا۔ پاکستان کو پہلی بار ۲۰۱۸ء میں تشویش کا باعث ملک قرار دیا گیا تھا۔

حصہ اول: مذہبی آبادی کے اعداد و شمار

امریکی حکومت کے تخمینہ کے مطابق ۲۰۲۱ء کے وسط تک پاکستان کی کل آبادی ۲۳ کروڑ ۸۲ لاکھ تھی۔ ۲۰۱۷ء میں ہونے والی تازہ ترین مردم شماری کے مطابق ملک کی چھپانے والے فیصد آبادی سنی یا شیعہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کی رُو سے ملک کی بقیہ چار فیصد آبادی احمدیوں، بین الاقوامی مذہبی آزادی رپورٹ برائے ۲۰۲۱ء - امریکی محکمہ خارجہ - دفتر براؤن بین الاقوامی مذہبی آزادی

ہندوؤں، عیسائیوں، بشمول رومن کیتھولک، لہنگلی کنس اور پروٹسٹنٹس، پارسیوں اور زرتشت پرستوں، بہائیوں، سکھوں، بدھ مت کے ماننے والوں، کیلاش، کیہال، اور جین مت کے پیروکاروں پر مشتمل ہے۔

مختلف ذرائع کے درمیان سنی اور شیعہ مسلمانوں کی درست تعداد کے حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ ۸۰ سے ۸۵ فیصد آبادی سنی مسلمان جبکہ ۱۵ سے ۲۰ فیصد ہزارہ، اسماعیلی اور بوہرہ (جو اسماعیلیوں کی ایک شاخ ہے) شیعہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ مذہبی اقلیتی گروہوں کی آبادی کے حوالے سے غیر سرکاری اندازے ایک دوسرے سے واضح طور پر مختلف ہیں۔ مذہبی اقلیتی نمائندوں کے مطابق ایسے مذہبی گروہ جو خود کو سنی، شیعہ اور احمدیوں کے حوالے سے شناخت نہیں کرواتے ملک کی تین سے پانچ فیصد آبادی کے حامل ہیں۔

۲۰۱۷ء کی مردم شماری کے مطابق ایک اعشاریہ چھ فیصد آبادی ہندو، ایک اعشاریہ چھ فیصد عیسائی، صفر اعشاریہ دو فیصد احمدی اور صفر اعشاریہ تین فیصد بہائی، سکھ اور پارسی سمیت دیگر اقلیتوں پر مشتمل ہے۔ احمدیوں کی جانب سے سرکاری مردم شماری کے بائیکاٹ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس اقلیتی گروہ کے ذرائع کے مطابق قادیانی احمدیوں کی آبادی پانچ سے چھ لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ بلوچستان میں مقیم ذکریوں کی تعداد پانچ سے آٹھ لاکھ کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والے کئی گروپوں کے مطابق ۲۰۱۷ء کی مردم شماری کے عبوری اعداد و شمار میں اقلیتوں کی اصل آبادی اور ان کے سیاسی اثر و رسوخ کو گھٹا کر پیش کیا گیا ہے کیونکہ مردم شماری کی بنیاد پر قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں اقلیتوں کیلئے نشستیں مختص کی جاتی ہیں۔

حصہ دوئم۔ مذہبی آزادی کے بارے میں حکومت کاروبہ

قانونی ڈھانچہ

آئین کے تحت مملکت کا سرکاری مذہب اسلام ہے لیکن آئین میں یہ بھی لکھا ہے کہ قانون اور اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے ہر شہری کو اپنے مذہب کے انتخاب، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کا حق حاصل ہے۔ آئین کی رو سے ہر شہری کو آزادیء اظہار رائے کا حق حاصل ہے مگر یہ ان معقول پابندیوں سے مشروط ہے جو عظمت اسلام کے لیے تعزیری قوانین میں وضع کی گئی ہیں۔ فوجداری قانون کی رو سے مذہب کی بے حرمتی کا جرم ثابت ہونے پر توہین ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر سزائے موت، جبکہ قرآن مجید کی کسی بھی نوعیت کی بے حرمتی کرنے پر عمر قید اور کسی دوسرے فرد کے مذہبی عقائد کی توہین پر دس سال قید کی سزا دی جاسکتی ہے۔ تحریر و تقریر یا کسی اور طریقے سے مذہبی منافرت پھیلانے کے جرم کی سزاسات سال قید ہے۔

برقی ذرائع پر جرائم کی روک تھام کے قانون مجریہ ۲۰۱۶ء یعنی پاکستان الیکٹرانک کرائمز ایکٹ کے تحت وزارت مذہبی امور اور بین المذاہب ہم آہنگی کی ذمہ داری ہے کہ وہ انٹرنیٹ کی ٹریفک پر نظر رکھے اور توہین یا فساد پھیلانے والے مواد کے بارے میں پاکستان ٹیلی کمیونی کیشن اتھارٹی کو اس مواد کو ہٹانے اور وفاقی تحقیقاتی ادارے ایف آئی اے کو ملوث افراد کے خلاف ممکنہ قانونی کارروائی کی سفارش کرنے کی ذمہ داری ادا کرے۔

آئین کے مطابق مسلمان وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کے آخری پیغمبر اور رسول ہونے پر پختہ یقین رکھے۔ اور کسی فرد کو، خواہ وہ کوئی بھی ہو، اور جو محمد ﷺ کے بعد نبی یا پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہو اس کو تسلیم نہ کرے۔ آئین میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ جو افراد عیسائی، ہندو، سکھ، بدھ مت، پارسی، قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (یہ دونوں گروہ اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) یا بہائی اور وہ لوگ جو مخصوص برادریوں سے تعلق رکھتے ہیں، وہ سب غیر مسلم ہیں۔

آئین اور تعزیرات پاکستان میں واضح طور پر درج ہے کہ احمدی اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہہ سکتے نہ ہی وہ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ اسلام کے پیروکار ہیں۔ تعزیرات پاکستان کے تحت وہ خود کو مسلمان کے طور پر متعارف نہیں کروا سکتے، نہ ہی اسلامی اصطلاحیں استعمال کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسلامی طور طریقے اختیار کر سکتے ہیں، وہ اپنے مذہبی عقائد کی تبلیغ سے کسی کا مذہب تبدیل نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کر سکتے ہیں۔ ان جرائم کی سزائیں سال قید اور جرمانہ ہے، جس کی رقم طے کرنے کا اختیار جج کو حاصل ہے۔

اگرچہ تعزیرات پاکستان میں ارتداد کو بطور خاص جرم نہیں قرار دیا گیا لیکن مذہبی علماء کے نزدیک اسلام قبول کر کے ترک کرنا توہین مذہب کے زمرے میں آتا ہے اور اس کی سزا موت ہے۔

حکومت دہشت گردی کی کاروائیوں، تحریر و تقریر کے ذریعے مذہبی منافرت پھیلانے یا توہین رسالت ﷺ جیسے سنگین جرائم کے خلاف مقدمات چلانے کے لیے ۱۹۹۷ء کے انسداد ہتھیاروں ایکٹ کے تحت قائم شدہ متوازی عدالتوں کو بھی استعمال کر سکتی ہے۔

آئین میں یہ بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ کسی شخص کو اس کے اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی کسی تقریب یا عبادت میں شرکت کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

آئین مذہبی اداروں کا انتظام و انصرام کرنے کی آزادی فراہم کرتا ہے۔ آئین کے مطابق ہر مذہب کے پیروکار اپنے مذہبی اداروں کے قیام اور انہیں برقرار رکھنے میں آزاد ہیں۔ آئین کے مطابق کسی شخص کو اس کے اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی تبلیغ یا اس کے اداروں کو قائم رکھنے کے لئے ٹیکس ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

حکومت بینکوں میں بچت کھاتے رکھنے والے سنی مسلمانوں سے لازمی طور پر ہر سال ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ (شرعی ٹیکس) وصول کرتی ہے۔ اس طرح جمع ہونے والی رقم ایک سرکاری خیراتی ادارہ کے ذریعہ غریب گھرانوں کی امداد، طلبہ کے تعلیمی اخراجات، ضرورت مندوں کے علاج معالجہ اور سرکاری اداروں کے ساتھ اپنا اندراج کرنے والے سنی مدارس اور مساجد پر صرف کی جاتی ہے۔ جو سنی مسلمان اپنی زکوٰۃ خود تقسیم کرنے کے خواہاں ہوں وہ اس کٹوتی سے استثنائی کے لیے درخواست جمع کروا سکتے ہیں جبکہ شیعہ مسلمان متعلقہ فارم میں اپنے عقیدہ کا اظہار کر کے اس کٹوتی سے مستثنیٰ ہو جاتے ہیں۔ احمدی اور شیعہ مسلمان اپنے فلاحی پروگرام بھی چلاتے ہیں۔

آئین کے تحت حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اسلام کے بنیادی اصولوں اور تعلیمات کے تحت گزارنے اور اسلام کی اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہونے میں مدد دینے کے لیے ضروری اقدامات اٹھائے۔ آئین مملکت کو پابند کرتا ہے کہ وہ عُشر کی وصولی، اسلام کی بنیادی تعلیمات اور عبادت گاہوں کا بطریق احسن بندوبست کرے۔

حج اور دیگر اسلامی زیارات کے لیے جملہ انتظامات کرنا وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کی ذمہ داری ہے۔ اسلامی تعلیمات اور توہین مذہب سے متعلق امور کے بارے میں بھی سرکاری حکام اسی وزارت سے رجوع کرتے ہیں۔ یہ وزارت نادار اقلیتوں کی امداد، اقلیتی عبادت گاہوں کی دیکھ بھال اور مرمت، اقلیتوں کے لیے چھوٹے پیمانہ پر ترقیاتی منصوبوں، اقلیتی تہواروں اور اقلیتی برادری سے تعلق رکھنے والے طالب علموں کو وظائف کی فراہمی میں معاونت کی ذمہ دار ہے۔

قانون کی رو سے اسلام یا کسی بھی پیغمبر پر تنقید نہیں کی جاسکتی نہ ہی دیگر مذاہب کی توہین کی اجازت ہے۔ قانون احمدیوں کے مذہبی مواد کی فروخت پر بھی پابندی عائد کرتا ہے۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے بٹوارے کے وقت اقلیتوں کی جو جائیدادیں متروک ہو گئی تھیں، ان کی دیکھ بھال متعلقہ صوبوں اور وفاق کی قانونی ذمہ داری ہے۔

آئین میں لکھا ہے کہ کسی بھی تعلیمی ادارے میں زیر تعلیم شخص کو اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی تعلیم کے حصول پر نہ تو مجبور کیا جائے گا اور نہ ہی وہ کسی دیگر مذہب ہی تقریب میں شرکت کرنے کا پابند ہو گا۔ آئین میں کہا گیا ہے کہ کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کو اپنے مذہب ہی تعلیمی اداروں میں اپنے بچوں کو مذہب ہی تعلیم فراہم کرنے سے نہیں روکا جائے گا۔

آئین کی رو سے سرکاری تعلیمی اداروں میں تمام مسلمان طالبعلموں کو اسلام کی تعلیم دینا حکومت پر لازم ہے۔ اگرچہ دیگر مذاہب کے طالبعلموں پر اسلامیات کی تعلیم حاصل کرنا لازمی نہیں ہے لیکن تعلیمی اداروں میں ان کے اپنے مذہب ہی عقائد کی تعلیم بہم پہنچانے کا انتظام نہیں ہے۔ تاہم کچھ سکولوں میں غیر مسلم طلبہ اسلامیات کی جگہ اخلاقیات کا مضمون پڑھ سکتے ہیں۔ والدین اپنے بچوں کو اپنے خرچ پر نجی سکولوں میں پڑھا سکتے ہیں۔ پنجاب، سندھ اور خیبر پختونخوا کے صوبوں میں نجی سکولوں پر لازم ہے کہ وہ مسلمان طالبعلموں کو قرآن اور اسلامیات کی تعلیم دیں۔

قانون مدارس کو فرقہ وارانہ تعلیم دینے یا منافرت پھیلانے اور تشدد پر اکسانے میں ملوث ہونے سے روکتا ہے۔ مذہب ہی تعلیم کے ذمہ دار وفاق (خود مختار تعلیمی بورڈز) مدارس کے اندراج، نصاب کے تعین اور اسناد جاری کرنے کے مجاز ہیں۔ ملک میں رائج پانچوں مکاتب فکر یعنی بریلوی، دیوبندی، شیعہ، اہلحدیث اور جماعت اسلامی، جو انتہائی قدامت پسند خیال کی جاتی ہے، کی نمائندگی پانچ وفاق المدارس کرتے ہیں۔ یہ تمام وفاق اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کی چھتری تلے متحد ہیں اور حکومت کے ساتھ اپنے معاملات مل کر طے کرتے ہیں۔ تمام مدارس پر لازم ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک وفاق المدارس اور محکمہ تعلیم کے ساتھ رجسٹر ہوں۔

آئین واضح طور پر کہتا ہے کہ ”تمام موجودہ قوانین کو قرآن مجید اور سنت (اسلام کے جملہ سماجی، قانونی اور عملی امور کی بنیاد) سے ہم آہنگ کیا جائے گا۔ آئین میں یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ کوئی بھی ایسا قانون نہیں بنایا جاسکتا جو اسلام کی تعلیمات کے منافی ہو۔ آئین کہتا ہے کہ یہ اقدامات غیر مسلم شہریوں کے ذاتی قوانین اور ان کی شہریت پر اثر انداز نہیں ہو سکیں گے۔ اقلیتوں کی شادی، طلاق اور وراثت سے متعلق کچھ شخصی قوانین تقسیم سے پہلے برطانوی راج کے زمانے میں وضع کئے گئے تھے۔“

آئین کے تحت مسلمان ججوں پر مشتمل وفاق شرعی عدالت قائم کی گئی ہے جس کا کام یہ دیکھنا ہے کہ کہیں کوئی قانون یا فیصلہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کے منافی تو نہیں ہے۔ آئین نے وفاق شرعی عدالت کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ اپنے طور پر قوانین کا جائزہ لے سکتی ہے یا وہ کسی بھی شہری یا حکومت کی درخواست پر بھی یہ ذمہ داری سرانجام دے سکتی ہے۔ آئین حکومت سے تقاضا کرتا ہے کہ وفاق شرعی عدالت کے حکم پر قانون میں ترمیم کرے۔ آئین شرعی عدالت کو حدود آرڈیننس کے تحت آنے والے بعض جرائم مثلاً عصمت دری اور اسلامی اقدار سے منافی جیسا کہ غیر ازدواجی جنسی تعلقات، شراب نوشی اور جو وغیرہ سے متعلق ماتحت عدالتوں کے فیصلوں پر خود سے نظر ثانی کرنے کے اختیارات بھی دیتا ہے۔ وفاق شرعی عدالت ان مقدمات میں فوجداری عدالتوں کی جانب سے دی جانے والی سزائیں کم یا زیادہ بھی کر سکتی ہے۔ شرعی عدالت کا سزاؤں پر نظر ثانی کا یہ اختیار

مقدمات میں ماخوذ مسلمان اور غیر مسلم ہر دو مجرمان پر لاگو ہوتا ہے۔ غیر مسلم شرعی عدالت میں پیش نہیں ہو سکتے تاہم غیر مسلم شخص کسی مسلمان وکیل کی خدمات حاصل کرتے ہوئے وفاقی شرعی عدالت سے ایسی صورتحال میں رجوع کر سکتا ہے کہ کوئی شرعی قانون یا اسلامی طریقہ کار اُس کے بنیادی حقوق سے متصادم ہے۔ قانون کے تحت وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں پر سپریم کورٹ کے شریعت ایپلینج میں درخواست برائے نظر ثانی داخل کی جاسکتی ہے۔ مزید اپیل سپریم کورٹ کا فلنچ دے سکتا ہے۔

آئین کے تحت مسلمانوں کو اسلام کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب دینے اور سازگار ماحول تیار کرنے کے لیے پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کی درخواست پر سفارشات تیار کرنے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دی گئی ہے۔ آئین کونسل کو یہ اختیار بھی دیتا ہے کہ مقننہ اور انتظامیہ کی طرف سے مجوزہ قوانین کا جائزہ لے کہ آیا وہ قانون کہیں اسلام کی تعلیمات سے متصادم تو نہیں۔

عام یا دیوانی قانون میں شادی کی منظوری سے متعلق کوئی مخصوص طرز اظہار موجود نہیں جس کے باعث شادی کی دستاویزات پر دستخط مذہبی رہنما کرتے ہیں اور یہ شادیاں مقامی نکاح رجسٹرار کے ہاں درج ہوتی ہیں۔ سندھ ہندو میرج ایکٹ اور وفاقی علاقہ اور صوبوں پر نافذ العمل قومی سطح کا ہندو میرج ایکٹ ہندو شادیوں کو قانونی جواز فراہم کرنے اور ان کا اندراج کرنے کا قانونی ڈھانچہ فراہم کرتا ہے۔ شناخت کے اندراج، طلاق اور وراثت کے معاملات میں درکار دستاویزات کی فراہمی سے قانونی خلاء کو پورا کرتے ہوئے ہندو میرج ایکٹ جبری یاد ہو کہ وہی سے کی جانے والی شادی کو کالعدم قرار دینے کی اجازت دیتا ہے۔ اگر کوئی ایک فریق ہندومت چھوڑ دے تو اس صورت میں بھی شادی ختم کی جاسکتی ہے۔ سندھ حکومت نے قانون سازی کرتے ہوئے جوڑوں کو علیحدگی کی اجازت دی ہے اور ہندو عورت کو طلاق یا شوہر کے انتقال کے چھ ماہ بعد دوبارہ شادی کرنے کی اجازت دی ہے۔ ہندو میرج ایکٹ کا اطلاق سکھوں کی شادیوں پر بھی ہوتا ہے۔ پنجاب کا سکھ آئندہ کراچ میرج ایکٹ مقامی یونین کونسل کے حکام کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ سکھ مرد اور عورت کے درمیان ایک سکھ آئندہ کراچ شادی رجسٹرار کی طرف سے کرائی جانے والی شادی کا اندراج کریں۔

بعض عدالتی فیصلوں میں دیکھا گیا ہے کہ اگر ایک غیر مسلم مرد اور غیر مسلم خاتون کی شادی ہو چکی ہو اور وہ خاتون اسلام قبول کر لے تو عدالت اس شادی کو کالعدم قرار دے دیا جاتا ہے جبکہ دوسری جانب مرد اسلام قبول کرے تو اُس کی شادی برقرار رہتی ہے۔

آئین کے تحت حکومت پر لازم ہے کہ وہ اقلیتوں کے قانونی حقوق اور مفادات کا تحفظ کرے اور بلا امتیاز تمام شہریوں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھے اور فرقہ وارانہ تعصبات کی حوصلہ شکنی کرے۔ آئین کسی بھی مذہبی اقلیت کے مذہبی ادارے پر ٹیکس عائد کرنے کے ضمن میں امتیازی سلوک سے روکتا ہے۔ قومی کمیشن برائے انسانی حقوق سرکاری اعانت سے چلنے والا ایک آزاد ادارہ ہے اور وہ اپنی رپورٹس پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرتا ہے اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بارے میں درخواستیں وصول، اُن کی تفتیش اور دادرسی کا ذمہ دار ہے۔ یہ کمیشن حکومت کی طرف سے انسانی حقوق کے نفاذ کی نگرانی اور قانون سازی پر نظر ثانی اور اس ضمن میں تجاویز دیتا ہے۔ یہ کمیشن کسی حد تک عدالتی اختیارات کا حامل بھی ہے اور بعض مقدمات

قانونی چارہ جوئی کے لیے ارسال کرتا ہے لیکن اس کو گرفتاری کے اختیارات حاصل نہیں۔ ایک ترمیم کی رو سے مذہبی اقلیتوں سمیت جملہ اقلیتی امور صوبوں کے سپرد کر دیے گئے ہیں۔

آئین کے مطابق کسی بھی فرد کو مذہب کی بنیاد پر کسی سرکاری ملازمت پر تعینات ہونے سے نہیں روکا جاسکتا بشرطیکہ وہ اس ملازمت کے لیے اہل ہو۔ وفاقی اور صوبائی سرکاری ملازمتوں میں اقلیتوں کے لیے پانچ فیصد کوٹہ مختص ہے، جن میں اکثر ہندو، عیسائی، سکھ، کیلاش اور پارسی شامل ہیں جبکہ شیعہ اور احمدی اقلیتیں شامل نہیں ہیں۔

آئین کسی بھی سرکاری تعلیمی ادارے میں مذہب کی بنیاد پر داخلہ دینے میں امتیازی سلوک روا رکھنے سے روکتا ہے۔ قواعد کی رو سے کسی بھی سرکاری تعلیمی ادارے میں داخلہ متعلقہ امیدوار کے حاصل کردہ نمبروں اور رہائشی صوبہ کی بنیاد پر ہو گا تاہم ہر امیدوار کو درخواست فارم پُر کرتے وقت اپنے مذہب کے بارے میں بتانا ہو گا۔ یہ شرط نجی تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں داخلہ پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ خود کو مسلمان کے طور پر درج کرانے کے خواہشمند طالبعلموں پر لازم ہے کہ وہ تحریری طور پر واضح کریں کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ غیر مسلم طالبعلموں پر ضروری ہے کہ ان کے مقامی مذہبی رہنما ان کی مذہبی وابستگی کی تصدیق کریں۔ قانون میں ملحدوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

نیشنل ڈیٹا بیس اینڈ رجسٹریشن اتھارٹی (نادرا) پاسپورٹ اور شناختی کارڈ پر مذہب کا اندراج کرتا ہے اور ان کے حصول کی درخواست دینے والوں پر اپنا مذہب ظاہر کرنا لازمی ہے۔ خود کو مسلمان لکھوانے کے خواہاں افراد پر حلفیہ بیان دینا لازمی ہے کہ حضرت محمد ﷺ (اللہ کے) آخری پیغمبر اور رسول ہیں اور احمدیہ جماعت کا بانی جھوٹا نبی اور اس کے ماننے والے کافر ہیں۔ بطور لادین اندراج کرانے کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ اٹھارہ برس کی عمر کو پہنچنے والے ہر شہری پر لازم ہے کہ وہ شناختی کارڈ بنوائے۔ یہ کارڈ ووٹ ڈالنے، پنشن کی تقسیم، سماجی اور مالی امداد کے پروگراموں سے مستفید ہونے اور دیگر خدمات کے لیے کارآمد ہوتے ہیں۔

آئین کی رو سے صدر مملکت اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ اراکین پارلیمنٹ سمیت تمام اعلیٰ عہدیداروں پر لازم ہے کہ وہ ملک کے اسلامی تشخص کے تحفظ کا حلف اٹھائیں۔ قانون کے تحت منتخب مسلم نمائندوں پر لازم ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے پر ایمان رکھنے کا حلف اٹھائیں۔ یہ قانونی تقاضا احمدیوں کے منتخب ہونے کی راہ میں رکاوٹ ہے کیونکہ وہ حضرت محمد ﷺ کے بعد بھی ایک نبی پر ایمان رکھتے ہیں۔

آئین نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں غیر مسلم اراکین کے لیے نشستیں مختص کی ہیں۔ ۳۴۲ رکنی قومی اسمبلی میں اقلیتوں کے لیے دس نشستیں مختص ہیں۔ جبکہ ایک سو چار رکنی سینٹ میں اقلیتوں کے لیے چار نشستیں مختص ہیں یعنی ہر صوبہ سے ایک اقلیتی رکن سینٹ کا رکن بن سکتا ہے۔ صوبائی اسمبلیوں کا ذکر کیا جائے تو خیبر پختونخوا صوبائی اسمبلی میں اقلیتوں کے لیے تین، پنجاب اسمبلی میں آٹھ، سندھ اسمبلی میں نو جبکہ بلوچستان اسمبلی میں تین

نشستیں مخصوص کی گئی ہیں۔ عمومی نشستوں پر منتخب ہونے والی سیاسی جماعتیں مذکورہ نشستوں کے لیے اقلیتی افراد منتخب کرتی ہیں وہ اقلیتی حلقوں سے ووٹروں کی توسط سے براہ راست منتخب ہو کر نہیں آتے۔

پاکستان شہری اور سیاسی حقوق کے بارے میں بین الاقوامی معاہدہ (آئی سی سی پی آر) کا رکن ہے تاہم اس حوالہ سے آئی سی سی پی آر کے دو تحفظات ہیں، اول یہ کہ مردوں اور عورتوں کے یکساں حقوق کا اطلاق شہریوں کے شخصی قوانین اور ۱۹۸۳ء کے قانون شہادت کے تحت ہو گا یعنی معاشرتی امور، جیسا کہ نکاح یا معاہدے اور مالیاتی ذمہ داریوں سے متعلق بعض دیوانی مقدمات میں عدالت کے سامنے پیش ہونے والے گواہوں میں مردوں کی گواہی کو خواتین کے مقابلہ میں زیادہ فوقیت دی جاتی ہے۔ دوم بین الاقوامی معاہدہ کی شق ۲۵ کے مطابق کسی بھی شہری کو سرکاری عہدہ پر خدمات سرانجام دینے کا حق حاصل ہو گا لیکن پاکستان میں اُس کے برعکس آئین میں کہا گیا ہے کہ صدر مملکت اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

حکومتی اقدامات

غیر سرکاری تنظیموں کے مطابق پولیس مذہبی اقلیتوں اور توہین مذہب کے ملزمان کو تحفظ دینے میں ناکام رہی، جن میں اینگرو کول مائننگ کمپنی کا ہندو اقلیتی گروہ سے تعلق رکھنے والا ملازم دودو بھیل بھی شامل تھا، جس کو ۳۰ جون کو کمپنی کے سیکورٹی گارڈز نے تشدد کے بعد ہلاک کر دیا تھا۔ حکام نے ۱۳ جولائی کو دودو غیر ہندو سیکورٹی اہلکاروں کو گرفتار اور اُن پر قتل کا مقدمہ درج کیا۔ دودو بھیل کے خاندان نے مائننگ کمپنی کی سیکورٹی کے ٹھیکیدار کے خلاف مقدمہ درج کیا۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق اگست میں وزارت انسانی حقوق کی سربراہی میں قائم جانچ پڑتال وفد نے مقدمہ خراب کرنے پر سندھ پولیس کے خلاف اقدامات کی سفارش کی۔ سندھ ہائی کورٹ کے ایک جج نے ضلعی انتظامیہ سے واقعہ کی رپورٹ طلب کی اور وزارت کے فیکٹ فائنڈنگ مشن نے آگاہ کیا کہ دودو بھیل کے جسم پر تیز دھار آلے کے ۱۹ نشانے تھے۔ تفتیش میں یہ حقیقت بھی عیاں ہوئی کہ سیکورٹی گارڈز نے اس کے ساتھی ہندو ملازمین کو دو ہفتہ تک حراست میں رکھنے کے بعد پولیس کے حوالے کیا جبکہ اُن کی جسمانی ہجرت بھی کی گئی۔ پولیس نے مبینہ طور پر خاندان والوں کو زخمی مردوں کے بارے میں چپ رہنے کی دھمکی دی۔ یکم جولائی کو مقامی ہندو برادری نے دودو بھیل کی نعش رکھ کر دھرنا دیا اور کولہ کی کان کا صدر راستہ بند کر دیا۔ احتجاج کا سلسلہ سندھ کے دیگر شہروں تک بھی پھیل گیا اور حکام نے ۱۱۵۰ افراد پر دہشت گردی کا مقدمہ درج کیا اگرچہ اطلاعات کے مطابق احتجاج پُر امن تھا۔ ۲۲ نومبر کو ذرائع ابلاغ نے خبر دی کہ دودو بھیل کے بھائی نے عدالت میں پیش ہو کر مائننگ کمپنی کی سیکورٹی ادارے کے خلاف قتل کا مقدمہ واپس لے لیا۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق اس کے خاندان والوں نے کمپنی سے عدالت سے باہر صلح کی خواہش ظاہر کی۔ سال کے اختتام تک حکومت نے جانچ پڑتال وفد کی سفارشات کے باوجود پولیس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

غیر سرکاری تنظیم سینٹر فار جسٹس (سی ایس جے) کے مطابق ۲۰۲۰ء میں ۱۹۹ لوگوں کی نسبت ۲۰۲۱ء میں حکام نے ۸۴ ملزمان پر توہین مذہب کے مقدمات درج کیے اور انہیں نظر بند کیا تاہم این جی او کے مطابق ۲۰۲۰ء میں فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ کی وجہ سے شیعہ مسلمانوں کے خلاف توہین مذہب مقدمات میں اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔

مذکورہ ۸۴ افراد میں سے ۵۴ فیصد سنی اور شیعہ مسلمان تھے، سی ایس جے نے دونوں مسالک کے اعداد و شمار کو الگ الگ بیان کیا جبکہ احمدی ۳۰ فیصد اور عیسائی اور ہندو آٹھ اٹھ فیصد تھے۔ سال بھر کے دوران سارے ملک میں توہین مذہب کے ۱۶ ملزمان کو موت کی دھمکیاں موصول ہوئیں تاہم کسی پر بھی حملہ نہیں ہوا۔ احمدی برادری نے کہا کہ اُن کی برادری کے دو افراد کے خلاف ۲۰۲۱ء میں درج ہونے والے مقدمات تعزیرات پاکستان کی شق ۲۹۵ سی کے تحت داخل کیے گئے تھے جن کی سزا پھانسی ہوتی ہے۔ انہوں نے اطلاع دی کہ ۲۰۱۹ء سے لیکر مجموعی طور پر ۶۱ احمدیوں پر توہین مذہب کے الزامات عائد کیے جا چکے ہیں۔ دیگر غیر سرکاری تنظیموں کے رہنماؤں نے اتفاق کیا کہ احمدیوں کے خلاف توہین مذہب کے مقدمات کی اصل تعداد زیادہ ہو سکتی ہے لیکن غیر مساوی رپورٹنگ اور متعدد علاقوں میں میڈیا کو رتیج کی عدم دستیابی کی وجہ سے درست اعداد و شمار کی دستیابی مشکل تھی۔ حکومت نے کبھی کسی شخص کو توہین مذہب کے الزامات کے تحت پھانسی کی سزا نہیں دی۔ غیر سرکاری تنظیموں کے مطابق سال کے دوران توہین مذہب کے مجموعی مقدمات میں سے ۸۱ فیصد پنجاب میں درج ہوئے۔

جنوری میں ذرائع ابلاغ نے اطلاع دی کہ اسلام آباد کی انسداد دہشت گردی عدالت نے تین اشخاص کو آن لائن سماجی رابطوں کے ذرائع پر توہین آمیز مواد شیئر کرنے کے جرم میں سزائے موت اور چوتھے کو عمر قید کی سزا سنائی، جن کے خلاف ۲۰۱۷ء سے مقدمہ کی کارروائی جاری تھی۔ قانون نافذ کرنے والے حکام کے مطابق دو افراد رانا نعمان رفاقت اور عبدالوحید جعلی پر وفاق سے سوشل میڈیا پر توہین آمیز مواد نشر کرتے تھے جبکہ تیسرے ملزم ناصر احمد نے یوٹیوب پر توہین مذہب پر مبنی ویڈیوز اپلوڈ کیں۔ چوتھے ملزم اور اردو کے پروفیسر انور احمد کو اپنی جائے ملازمت یعنی اسلام آباد ماڈل کالج میں دوران لیکچر توہین آمیز خیالات کے اظہار پر مقدمہ میں نامزد کیا گیا تھا۔ پولیس نے احمد کو حراست میں لینے کے بعد ایک لاکھ روپے یعنی پانچ سو ساٹھ ڈالر جرمانہ لاگو کیا جبکہ دیگر تین مجرمان سال کے اختتام تک روپوش تھے۔

توہین مذہب کے باقی مقدمات بغیر تصفیہ بدستور چلتے رہے۔ پی ای سی اے کے تحت متعدد افراد کو توہین رسالت ﷺ پر مشتمل مواد سوشل میڈیا پر پھیلانے کے الزامات کا سامنا تھا۔ پیکا کے تحت ۲۰۱۹ء میں قرآن پاک کی نقول کی اشاعت کے واقعہ میں ملوث احمدی شہریوں کو نومبر میں عدالت میں پیش کیا گیا۔ ملزمان کے خلاف مقدمہ وزیر اعظم کے معاون خصوصی برائے مذہبی امور اور مشرق وسطیٰ طاہر اشرفی کے بھائی محمد حسن معاویہ نے درج کروایا تھا۔ معاویہ کا کہنا تھا کہ احمدی برادری غیر مسلم ہے اور اُن کو قرآن پاک کی اشاعت کی اجازت نہیں ہے۔ جج نے پولیس سے جواب طلبی کی کہ اس نے ۲۰۱۹ء کے عدالتی فیصلہ پر عملدرآمد یقینی کیوں نہیں بنایا جس میں یہ صادر کیا گیا تھا کہ قرآن پاک کی اشاعت صرف مجاز افراد ہی کر سکتے ہیں اور

عدالت نے یہ استفسار بھی کیا کہ ملزمان اور قرآن پاک کی غیر تصدیق شدہ نقول کی اشاعت میں ملوث دیگر افراد کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کی گئی۔ مقدمہ کی سماعت ۳۰ نومبر تک ملتوی کی گئی اور ملزمان ضمانت پر رہا تھے اور کارروائی سال کے اختتام تک جاری تھی۔

احمدی پیر و کار اور امریکی شہری طاہر نسیم، جس کو توہین رسالت ﷺ کے الزام میں اگست ۲۰۲۰ء میں کمرہ عدالت کے اندر قتل کر دیا گیا تھا، کے قتل کا مقدمہ انسداد دہشت گردی عدالت پشاور میں سال کے اختتام تک زیر سماعت تھا۔ ۲۷ ستمبر کو لاہور کی ایک عدالت نے ایک سابقہ اسکول پرنسپل سلمیٰ تنویر کو ۲۰۱۳ء سے جاری ختم نبوت ﷺ کے مقدمہ میں تعزیرات پاکستان کی شق ۲۹۵ سی کے تحت پھانسی کی سزا سنائی اور جرمانہ نافذ کیا گیا۔ عدالت نے اپنے فیصلہ میں کہا کہ سلمیٰ تنویر پر رسول اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شان اقدس میں گستاخانہ مواد تحریر کرنے اور اُسے تقسیم کرنے کا جرم ثابت ہوا ہے۔ پولیس نے ایک مقامی پیش امام قاری افتخار احمد رضا کی شکایت پر ملزمہ کے خلاف توہین اسلام کا مقدمہ درج کیا تھا۔ سلمیٰ تنویر ۲۰۱۳ء سے لیکر رپورٹنگ کے سال کے اختتام تک پابند سلاسل رہی۔

این جی اوز اور اخباری اطلاعات کے مطابق ۲۰۱۴ء کے توہین رسالت کے مشہور مقدمات میں جن افراد کو سزا سنائی گئی تھی ان میں ندیم جیمز، تیمور رضا، جنید حفیظ، مبشر، غلام اور احسان احمد اور اسٹیشن مسیح بدستور جیلوں میں مقید اپنی اییلوں کی سماعت کے منتظر تھے۔ ان مقدمات میں ججوں نے توہین سے سماعتیں ملتوی کیں اور دلائل سنے بغیر نئی تاریخیں دیں یا ان اییلوں کو دوسرے بنچوں کے سامنے پیشی کے لیے ارسال کر دیا۔

سول سوسائٹی اور قانونی ذرائع کے مطابق یہ بیج انتقامی حملوں کے خوف سے توہین مذہب کے مقدمات کا فیصلہ جاری کرنے سے احتراز برتتے ہیں۔ فروری میں عدلیہ نے احمدی خاتون رمضان بی بی کی گرفتاری کے دس ماہ بعد ضمانت منظور کی۔ اپریل ۲۰۲۰ء میں بی بی نے صوبہ پنجاب میں اپنے گاؤں کی سنی مسجد میں ہونے والی تقریب کے لیے چندہ دیا تھا لیکن مسجد انتظامیہ نے وہ چندہ اس عذر کے ساتھ واپس کر دیا کہ احمدیوں کو مسلمانوں کی مذہبی رسومات میں شرکت کی اجازت نہیں ہے۔ جب اس نے اپنے غیر احمدی رشتہ دار سے سبب پوچھا تو گفتگو زبانی لڑائی اور ہاتھ پائی تک پہنچ گئی۔ گاؤں کے مذہبی رہنماؤں نے ضلعی پولیس افسر کو آگاہ کیا کہ بی بی نے توہین رسالت کی ہے۔ پولیس نے اس کو گرفتار کر کے تعزیرات پاکستان دفعہ ۲۹۵ سی کے تحت مقدمہ درج کیا جس کی سزا پھانسی ہے۔ اس کے مقدمہ کی کارروائی سال کے اختتام تک زیر التواء رہی۔

مارچ میں اندرون سندھ سے تعلق رکھنے والے ایک معروف صوفی رہنما اور اس کے پیر و کاروں نے ۲۸ مارچ کو منظر عام پر آنے والی ایک وڈیو کی بنیاد پر سندھی افسانہ نگار امر جلیل پر الزام لگایا کہ وہ ۲۰۱۷ء میں ایک ادبی میلہ کے دوران توہین رسالت کا مرتکب ہوا تھا اور اس کو قتل کر دیا جائے۔ تحریک لبیک پاکستان (ٹی ایل پی) اور جمیعت علماء اسلام فضل الرحمان (جی یو آئی ایف) کے متعلقین نے دائیں بازو کے اخبار اُمت کی حمایت سے امر جلیل کے خلاف مہم شروع کی۔ تیرہ اپریل کو صوفی مذہبی رہنما پیر عمر جان سرہندی نے امر جلیل کے قتل کا مطالبہ کرتے ہوئے اُس کے سر کی قیمت مقرر کر دی۔ سوشل میڈیا صارفین نے سندھ کے حکام سے سرہندی کی گرفتاری کا مطالبہ کیا مگر حکومت نے اس طرح کی کوئی بھی کارروائی نہیں کی۔ سندھ

حکومت نے وعدہ کیا کہ صوبائی حکام امر جلیل کے خلاف توہین مذہب کا مقدمہ درج نہیں کریں گے۔ تاہم قومی ذرائع ابلاغ کے مطابق ایف آئی اے نے ٹی ایل پی کی درخواست پر امر جلیل کے خلاف سائبر کرائم کے قوانین کے تحت تفتیش کا آغاز کیا۔

نو اپریل کو پولیس نے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹرز ہسپتال کی دو مسیحی نرسوں کے خلاف توہین مذہب کا مقدمہ درج کیا۔ ہسپتال کے ملازمین نے احتجاج کیا کہ نرسوں نے ایک الماری سے اسٹیکر ہٹایا ہے جس پر مقدس عبارات تحریر تھیں۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق مظاہرین سے تحفظ دینے کے لیے پولیس کو ایک نرس کو وین کے اندر لاک کرنا پڑا۔ اسی نوعیت کے واقعہ میں ایک اور عیسائی نرس تسمیتھا گل پر کراچی کے ایک زچہ بچہ دیکھ بھال ہسپتال میں ایک مریض کے لیے دعا کرنے پر توہین رسالت ﷺ کا الزام لگایا گیا۔ ایک وڈیو میں دیکھا جاسکتا تھا کہ ساتھی ملازمین نے بحث کے بعد ملزمہ کو تھپڑ مارے لیکن اس وڈیو میں نظر آنے والے افراد کے خلاف کوئی بھی مقدمہ یا گرفتاری عمل میں نہیں لائی گئی۔ ابتدائی تفتیش میں پولیس نے نرس کو الزامات سے بری کر دیا لیکن جب تھانہ کے سامنے ہجوم کٹھا ہوا تو پھر پولیس نے اس کے خلاف توہین رسالت ﷺ کا مقدمہ درج کیا۔ سات اگست کو پولیس نے خیبر پختونخوا کے علاقہ حویلیاں میں خواجہ سراقیصر زادہ اور اس کے دو بھائیوں کو قرآن پاک کی بیجرمتی کے الزام میں گرفتار کیا۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق ایک گواہ نے دیکھا کہ قیصر زادہ نے ایک مقامی دینی عالم کی جانب سے کیا جانے والا جنسی تعلقات کا مطالبہ ماننے سے انکار کیا جس کے بعد مقامی افراد کی جانب سے قرآن پاک کی بیجرمتی کے الزام کے بعد اس کو دو بھائیوں سمیت گرفتار کیا گیا۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق مقامی لوگوں نے پولیس کے حوالہ کرنے سے قبل ان پر تشدد بھی کیا۔ وہ اور اس کے بھائی سال کے اختتام تک جیل میں تھے۔

غیر سرکاری تنظیموں، قانونی مبصرین اور اقلیتی نمائندوں نے مسلسل اس تشویش کا اظہار کیا کہ ذیلی عدالتوں میں توہین رسالت کے مقدمات کی سماعت کے دوران گواہی کی بنیادی شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ انہوں نے مقدمات کی سست روی پر بھی اپنی تشویش کا اظہار کیا جس کے نتیجے میں ملزمان مقدمات کی بنیادی کارروائی کے آغاز یا اپیل پر فیصلہ آنے کے انتظار میں سالوں تک حراست میں رہتے ہیں یا بعض سزا یافتہ افراد کئی سال جیل میں گزار دیتے ہیں تا وقتیکہ اعلیٰ عدلیہ عدم فراہمی ثبوت کی بنا پر ان کی سزا معطل کرنے کے احکامات جاری نہیں کر دیتی۔ قانونی حقوق پر کام کرنے والے گروپوں کے مطابق بعض ماتحت عدالتوں میں توہین مذہب کی سخت ترین سزا کے حامی گروہوں، جیسا کہ تحریک لبیک پاکستان، کے ارکان کی موجودگی میں مقدمات کی سماعت ہوتی ہے اور وہ اکثر ملزمان کے وکیلوں، رشتہ داروں اور حمایتیوں کو دھمکیاں دیتے ہیں۔ دوسری جانب انسانی حقوق کے گروہوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ توہین رسالت ﷺ کے مقدمات کی سماعت حفاظتی امور کے پیش نظر جیل کے اندر بھی کی جاتی ہے، جس کے باعث مقدمہ کی شفافیت متاثر ہو جاتی ہے۔ مبصرین کے مطابق ذیلی عدالتیں تشدد اور ہنگامہ آرائی کے خدشات کے باعث توہین مذہب کے مقدمات کی سماعت یا پھر ملزمان کو بری کرنے سے کتراتے ہیں۔ قانونی مبصرین کے مطابق جج اور مجسٹریٹ مشتعل گروہوں کی جانب سے تشدد اور ہنگامہ آرائی کی وجہ سے مقدمات کی سماعت کو طول دیتے ہیں یا پھر کارروائی ملتوی کر دیتے ہیں۔

این جی اوز اور قانونی مبصرین کے مطابق توہین رسالت ﷺ کی شکایت درج کرنے سے قبل سینئر پولیس افسر کی جانب سے تفتیش کرنے کے قانون کا اطلاق ہونے سے معروضی تحقیقات کے نتیجے میں توہین رسالت ﷺ کے کئی الزامات بے بنیاد ثابت ہو سکتے ہیں۔ کچھ این جی اوز کا کہنا ہے کہ پولیس اس طریقہ کار پر پوری طرح عمل درآمد نہیں کرتی۔ کچھ مقدمات میں پولیس نے ملزمان کا ۱۴ دن کاریمانہ عدالت سے یہ کہہ کر حاصل کیا کہ ایک سینئر افسر تحقیقات کرے گا۔ بعض اوقات سینئر پولیس افسر کے بجائے نچلے درجے کے پولیس افسر توہین رسالت ﷺ کا مقدمہ دائر کر لیتے ہیں اور اعلیٰ پولیس افسر کی جانب سے تحقیقات کا انتظار نہیں کیا جاتا۔ این جی اوز اور قانونی مبصرین کہتے ہیں کہ پولیس توہین رسالت ﷺ کے جھوٹے الزام لگانے والے افراد کے خلاف کارروائی سے بھی احتراز برتی ہے۔

سال کے دوران عدالتوں نے ایپلوں کی بنیاد یا ملزمان کی برسوں تک حراست کے بعد بعض توہین رسالت ﷺ کے مقدمات خارج کر دیے۔ ۳ جون کو لاہور ہائی کورٹ (ایل ایچ سی) نے پنجاب کے ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ سے تعلق رکھنے والے ایک عیسائی جوڑے شفقت ایمانوئل اور شگفتہ مسیح کو بری کر کے رہا کر دیا۔ حکام نے انہیں ۲۰۱۳ء میں شکایت کنندگان کو ایسے موبائل پیغامات ارسال کرنے کے الزام میں گرفتار کیا تھا جو مبینہ طور پر توہین آمیز تھے۔ اپریل ۲۰۱۴ء میں ایک ذیلی عدالت نے اس جوڑے کو سزائے موت سنائی تھی اور ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک لاکھ روپے یعنی ۱۵۶۰ امریکی ڈالر جرمانہ عائد کیا تھا۔

انگوا اور جبری تبدیلی مذہب کے واقعات میں حکومت کی مداخلت اور عدلیہ کی طرف سے دادرسی کی اطلاعات موجود ہیں لیکن ان جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف مؤثر کارروائی کم ہی دیکھنے میں آئی۔ پنجاب میں عیسائی لڑکیوں کی جبری شادیوں اور مذہب کی تبدیلی کے بارے میں متعلق متعدد اطلاعات موصول ہوئیں۔ ۱۶ فروری کو فیصل آباد کی ایک عدالت نے ایک تیرہ سالہ عیسائی لڑکی کو رہا کرنے کا حکم دیا جس کو میڈیا رپورٹس کے مطابق بارہ سال کی عمر میں انگوا کرنے کے بعد زبردستی مسلمان کیا گیا اور جون ۲۰۲۰ء میں اُس کی مرضی کے برخلاف ایک ۴۵ سالہ مسلمان شخص سے بیاہ دیا گیا۔ پولیس نے دسمبر ۲۰۲۰ء میں اس کو بازیاب کیا اور بعد میں ایک سرکاری پناہ گاہ میں منتقل کر دیا۔ بعد ازاں فیصل آباد کی ایک عدالت نے لڑکی کو اپنے خاندان میں واپسی کی اجازت دے دی۔ ذرائع ابلاغ کی خبر کے مطابق پولیس نے ۲۰۲۰ء میں اس کو انگوا کرنے کے بعد پانچ ماہ تک زنجیروں سے بند رکھنے میں ملوث تین مسلمان افراد کے خلاف تفتیش ختم کر دی گئی۔

کمیشن برائے انسانی حقوق پاکستان (ایچ آر سی پی) نے بتایا کہ اقلیتی مذہب کی نوجوان خواتین، جو اکثر دیہی سندھ سے تعلق رکھنے والی پختی ذات کی ہندو لڑکیاں ہوتی ہیں، اُن کا مذہب جبری طور تبدیل کروانے اور کم عمری کی شادی کے متعدد واقعات رُو نما ہونے کا سلسلہ جاری رہا۔ مارچ میں تنگوانی کے علاقہ میں ہندو برادری نے مبینہ طور پر ایک تیرہ سالہ لڑکی کے انگوا اور جبری طور مسلمان کرنے کے خلاف احتجاج کیا۔ لڑکی کی ایک ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل ہوئی جس میں وہ مردوں کے درمیان بیٹھی نظر آئی اور وہ اپنے موبائل فون سے اس کے وڈیو اور فوٹو بنا رہے تھے۔ لڑکی کے والد نے مقامی پولیس میں مقدمہ درج کروایا اور شکایت کی کہ انگوا کاروں اور مقامی مسجد سے تعلق رکھنے والے اُن کے بااثر حامیوں نے مقدمہ واپس لینے سے انکار کے

بعد میرے گھر کو نذر آتش کر دیا۔ ۱۶ مارچ کو پولیس نے لڑکی کو بازیاب کر لیا اور عدالت کے سامنے پیش کیا جس نے اس کو پناہ گاہ میں رکھنے کا حکم دیا۔ پولیس نے آتشزدگی کے الزام پر کسی قسم کی کوئی کارروائی نہیں کی۔

۲۶ جولائی کو سندھ کے شہر بدین کی ایک عدالت نے پولیس کو ایک نوجوان ہندو لڑکی کو واپس رشتہ داروں کے حوالہ کرنے کا حکم دیا جس کے بارے میں اطلاعات تھیں کہ وہ اغوا کے بعد جبری شادی اور مذہب کی تبدیلی کا شکار ہوئی ہے۔ قبل ازیں پولیس نے لڑکی کو ایک بااثر مسلمان شخص کی تحویل سے بازیاب کر لیا تھا اور یہ سب سوشل میڈیا پر وائرل ہونے والی ایک وڈیو پوسٹ کے بعد ہوا جس میں لڑکی نے روتے ہوئے اپنے والدین کے پاس واپس جانے کی درخواست کی تھی۔ واضح رہے کہ عدالت کے حکم کے بعد پولیس نے لڑکی کے مبینہ شوہر قاسم خا صخیلی اور اس کے دو بھائیوں کو گرفتار کر لیا اور ان پر عصمت دری، اغوا، تشدد اور لڑکی کو ڈرانے دھمکانے میں معاونت اور آکسانے کا مقدمہ درج کیا۔ لڑکی نے مسلمان ہونے کی اطلاعات کی تردید کرتے ہوئے اپنے مبینہ شوہر پر جھوٹی دستاویزات تیار کرنے کا الزام لگایا۔ پولیس نے جولائی میں لڑکی کو واپس اس کے والدین کے حوالے کر دیا جبکہ بعد ازاں مقدمہ میں گرفتار افراد کو بھی رہا کر دیا گیا۔

مذہبی اقلیتوں اور دیگر کئی تنظیموں نے جبری شادی اور جبری تبدیلیء مذہب کے مبینہ واقعات پر حکومت کے رد عمل پر احتجاج کیا اور اس امر کی نشاندہی کہ اس طرح کے واقعات تمام صوبوں میں باقاعدگی سے ہوتے رہتے ہیں۔ ۲۱ مئی کو وزیراعظم کے معاون خصوصی برائے مذہبی امور اور مشرق وسطیٰ طاہر اشرفی نے کہا کہ گزشتہ سات ماہ کے دوران جبری طور مذہب کی تبدیلی اور شادیوں کے واقعات شاذ و نادر ہی رپورٹ ہوئے ہیں۔ جبری تبدیلیوں کا سراغ لگانے والی متعدد این جی اوز نے طاہر اشرفی کے بیان پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ مذہب کی جبری تبدیلی اور زبردستی کی شادیاں جاری و ساری ہیں اور انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ جبری شادی اور تبدیلیء مذہب کے متاثرین کو تحفظ کی فراہمی کے لیے مزید اقدامات کیے جائیں۔

مذہبی اقلیتوں کا مذہب جبری طور پر تبدیل کرنے کے مقصد سے قائم ایک پارلیمانی کمیٹی نے تیرہ اکتوبر کو وزارت مذہبی امور اور بین المذاہب ہم آہنگی کی مخالفت کے بعد مذہب کی زبردستی تبدیلی کی ایک قانونی تجویز پر مشتمل مسودہ کو مسترد کر دیا۔ مذہبی اقلیتی برادریوں کے قانون سازوں نے اس فیصلہ پر احتجاج کیا اور حکومت سے نظر ثانی کی درخواست کی۔ اقلیتوں کو جبری تبدیلیوں سے بچانے کے لیے پارلیمانی کمیٹی کے اجلاس کے دوران وزیر برائے مذہبی امور اور بین المذاہب ہم آہنگی نورالحق قادری نے کہا کہ جبری تبدیلیوں کے خلاف قانون تشکیل دینے کے لئے ماحول سازگار نہیں ہے اور انہوں نے خبردار کیا کہ مسودہ کی منظوری سے ملک میں امن و امان درہم برہم ہو سکتا ہے اور اقلیتوں کو مزید خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔ قادری نے وزیراعظم پر بھی زور دیا کہ وہ مذہب کی تبدیلی کی روک تھام کے لیے دیگر اقدامات کا بندوبست کریں تاہم انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ ممکنہ طور پر کون سے اقدامات لیے جاسکتے ہیں۔ وزیر مملکت برائے پارلیمانی امور علی محمد خان نے بل میں شادی کے لیے کم از کم عمر مقرر کرنے کی کوشش کو اسلام اور آئین پاکستان سے متصادم قرار دیا۔

وزارت داخلہ نے انتہا پسند اور دہشت گرد تصور کیے جانے والے مذہبی نوعیت کے گروپوں کی سرگرمیوں کی جانچ پڑتال کرنے اور ان پر نظر رکھنے کیلئے کئی فہرستیں ترتیب دے رکھی ہیں۔ انتہا پسند اور دہشت گرد عناصر پر پابندی عائد کی جا چکی ہے، ان کی سرگرمیاں فہرست اول کے تحت محدود کر کے ان کی نگرانی کی جاتی ہے اور جن افراد کی عوامی سرگرمیوں کو بشمول عاشورہ محرم کے ایام میں محدود نہیں کیا جاسکتا ان کا ذکر فہرست چہارم میں کیا گیا ہے۔ گیارہ اگست کو سندھ حکومت نے ۲۰۰۹ء شعلہ بیان "مقررین اور مذہبی رہنماؤں پر ان کے آبائی اضلاع سے باہر سفر پر ساڑھ روز کی پابندی عائد کر دی تاکہ محرم الحرام میں شیعہ جلسوں کے دوران پُر تشدد خلل کو روکا جاسکے۔ یہ تعداد ۲۰۲۰ء میں عائد کردہ پابندی کے مقابلے میں ڈوگنی تھی۔ مذکورہ مذہبی رہنماؤں میں شیعہ اور سنی فرقوں کے وہ علماء شامل تھے جنہوں نے ماضی میں متنازعہ تقاریر کی تھیں اور جن کے بارے میں وزارت کا کہنا تھا کہ وہ فرقہ وارانہ کشیدگی کا سبب بنتے ہیں۔ دریں اثناء راولپنڈی کی ضلعی انتظامیہ نے بھی امن و عامہ کے پیش نظر محرم الحرام کے دوران مختلف اضلاع سے تعلق رکھنے والے ۳۹ مذہبی رہنماؤں کے ضلع راولپنڈی میں داخلہ پر پابندی نافذ کی۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں اور ذرائع ابلاغ کی رپورٹوں کے مطابق محرم الحرام کی شروعات سے کچھ ہفتے قبل اور اس مہینہ کے دوران وفاقی حکام نے وزارت داخلہ کی فہرست چار میں اندراج شدہ علماء کی سرگرمیوں اور نقل و حرکت کو امن و امان کے پیش نظر محدود کر دیا۔ تاہم شیعہ برادری کے نمائندوں نے حکام پر پابندیوں کے اطلاق میں جانبداری کے تحت شیعہ برادری کے علماء کی گرفتاریوں اور سرگرمیوں کو محدود کرنے کا الزام لگایا۔ اکتوبر میں شیعہ رہنماؤں نے کراچی پولیس پر چہلم کے شرکاء پر تشدد اور ہراسگی کا الزام لگایا۔

احمدی رہنماؤں کے مطابق حکام نے احمدیوں کو توہین رسالت ﷺ اور "احمدی مخالف قانون سازی" کی خلاف ورزی اور دیگر جرائم کے باعث نشانہ بنانے اور ہراساں کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ احمدی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ احمدیوں کو بالواسطہ اور بلاواسطہ اپنے آپ کو مسلمان کے طور پر پیش کرنے کے قانون کے مبہم الفاظ کی وجہ سے ان کو اسلامی طریقہ کار کے مطابق سلام کرنے یا اپنے بچوں کا نام "محمد" رکھنے سے منع کیا جاتا ہے اور ایسا کرنے کی صورت میں حکام ان کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں۔ انتخابات کے دوران احمدی رہنماؤں کے مطابق احمدی ووٹروں کے ووٹوں کا اندراج ایک الگ فہرست میں ہونے کی وجہ سے ان کی جانوں کو زیادہ خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ بہت سے احمدی انتخابات کا بائیکاٹ کرنے کی اپنی دیرینہ پالیسی پر کاربند رہنا پسند کرتے ہیں۔ احمدی نمائندوں نے یہ شکایت بھی دہرائی کہ نادرا شناختی کارڈ بنوانے کے خواہشمند احمدی قادیانیوں سے یہ بیان حلفی لیتی ہے کہ وہ غیر مسلم ہیں۔

احمدیوں کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ احمدی خاندانوں کو یونین کو نسلوں میں اپنی شادیوں کا اندراج کرانے میں بھی دشواریوں کا سامنا ہے، یہ یونین کو نسلوں احمدیوں کو مسلم فیملی لاء مجریہ ۱۹۶۱ء کے دائرہ کار سے باہر تصور کرتی ہیں۔ اکتوبر ۲۶ کو پنجاب اسمبلی نے سرکاری طور پر نکاح کے اندراج کے لیے ختم نبوت ﷺ پر ایمان رکھنے کے حلف کی شرط لازمی قرار دی، جو کہ احمدیوں کے عقیدہ کے برعکس ہے۔

بین الاقوامی مذہبی آزادی رپورٹ برائے ۲۰۲۱ء - امریکی محکمہ خارجہ - دفتر براؤن بین الاقوامی مذہبی آزادی

جون میں احمدی کمیونٹی کی اطلاعات کے مطابق پنجاب کے ضلع شیخوپورہ میں سنیوں اور احمدیوں کے درمیان لڑائی کے موقع پر پہنچنے والی پولیس نے تنازع روکنے کے لیے کوئی کارروائی نہیں کی۔ یہ لڑائی اس وقت شروع ہوئی جب سنی مسلمانوں کے ایک گروہ نے ایک احمدی خاتون کے جنازہ کے جلوس کا قبرستان جاتے ہوئے روکا۔ مقامی دیہاتیوں پر مشتمل اور علماء کی قیادت میں آنے والے حملہ آوروں نے خاتون کی تدفین کی مخالفت کرتے ہوئے دلیل دی کہ یہ قبرستان صرف مسلمانوں کا ہے۔ راہ گیروں کے مطابق اس لڑائی میں بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ لیکن بالآخر احمدی کمیونٹی اس عورت کو اس قبرستان میں دفن کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

عیسائیوں کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ انہیں اسلام آباد کی یونین کونسلوں میں اپنی شادیوں کا اندراج کرانے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ یہ کونسلیں کہتی ہیں کہ انہیں عیسائی شادیوں کو رجسٹرڈ کرنے والے افراد (جو عام طور پر کلیسا کے حکام ہوتے ہیں) کے ساتھ معاملات کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ پارلیمنٹ، چارج حکام اور قانونی ماہرین عیسائی شادیوں سے متعلق ۲۰۱۹ء کے ایک مسودہ پر صلاح مشورہ کر رہے ہیں جس کا اطلاق پورے پاکستان پر ہو گا۔ اس سلسلہ کا موجودہ قانون ۱۸۷۲ء میں وضع کیا گیا تھا۔ اراکین قومی اسمبلی، وزارت انسانی حقوق اور وزارت قانون کے حکام نے مختلف مکاتب فکر کے کلیساؤں اور این جی اوز کے نمائندوں کے ساتھ صلاح مشورہ کیا لیکن سال کے اختتام تک مسودہ میں طلاق اور بین المذاہب شادیوں سے متعلق شقوق پر اتفاق رائے پیدا نہیں ہو سکا تھا۔

اگرچہ سندھ ہندو میرج ایکٹ میں صوبہ کے اندر سکھ برادری کی شادیوں کے اندراج کی سہولت بھی دی گئی ہے لیکن سکھ رہنماؤں کا کہنا ہے کہ ان کے لیے ایک الگ سکھ قانون ہونا چاہیے تاکہ انہیں ہندو مذہب کا حصہ نہ سمجھا جائے۔ ہندو برادری کے نمائندوں کے مطابق، ۲۰۲۰ء میں صوبائی حکومت نے قانون کا اطلاق اور بیک وقت نادرا نے صوبہ کے اندر ہندو شادیوں کا اندراج شروع کر دیا۔

حکومت نے پاسپورٹ پر اسرائیل کے سوا تمام ممالک کی جانب سفر کے لیے کارآمد تحریر کرتے ہوئے تمام باشندوں کو بلا تفریق مذہب اسرائیل جانے سے روکنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ بہائی برادری کے لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اس پابندی سے سب سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں کیونکہ ان کا روحانی اور انتظامی مرکز، یعنی بہائی ورلڈ سنٹر، حیفہ اسرائیل میں واقع ہے۔ عیسائی مذہب کے لوگ بھی حکومت پر زور دیتے رہے ہیں کہ وہ انہیں اسرائیل جانے کی اجازت دے۔

مارچ میں کووڈ-۱۹ سے متعلق پابندیوں کے باعث سندھ کی صوبائی حکومت کی جانب سے بند کیے جانے والے ایک مزار میں داخل ہونے کی کوشش کے دوران سیکڑوں زائرین کی پولیس کے ساتھ جھڑپیں ہوئیں۔ پولیس نے بتایا کہ زائرین نے سندھ کے شہر سیہون میں واقع تیرہویں صدی کے صوفی بزرگ لال شہباز قلندر کے مزار کا مرکزی دروازہ توڑ دیا۔ پولیس افسر محمد مشتاق نے بتایا کہ جھوم نے پولیس پر حملہ کرتے ہوئے پتھر اڑایا۔ متعدد پولیس اہلکاروں کو معمولی چوٹیں آئیں جبکہ واقعہ کی تحقیقات سال کے اختتام تک جاری رہیں۔

بین الاقوامی مذہبی آزادی رپورٹ براؤن ۲۰۲۱ء - امریکی محکمہ خارجہ - دفتر براؤن بین الاقوامی مذہبی آزادی

کچھ اقلیتی نمائندوں کا کہنا ہے کہ بڑی پارٹیوں کی طرف سے اندرونی صلاح مشورہ کے نتیجہ میں اقلیتی ارکان کے انتخاب کا طریقہ کار صرف اُن پارٹی رہنماؤں کی بھرتی کی صورت میں نکلتا ہے جو "نشستیں خرید سکتے ہیں" بجائے اُن افراد کے جو حقیقی طور پر اقلیتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ بعض دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ مخصوص نشستوں پر آبیوالے نمائندے اپنی پارٹیوں اور قومی اسمبلی میں زیادہ اثر و رسوخ نہیں رکھتے کیونکہ اُن کا کوئی حلقہ انتخاب نہیں ہوتا ہے۔ اقلیتی برادری سے تعلق رکھنے والی خواتین نے اقلیتوں کے لیے مخصوص نشستوں پر صرف مردوں کو منتخب کرنے والی سیاسی جماعتوں پر تنقید کی اور خواتین کی نمائندگی یقینی بنانے کے لیے الیکشن ایکٹ میں ترمیم کا مطالبہ کیا۔

حکومت نے بہت محدود پیمانے پر غیر مسلم غیر ملکی تبلیغی اداروں کی ملک میں سرگرمیوں کی اجازت دینے کا سلسلہ جاری رکھا بشرطیکہ وہ اسلام کے خلاف تبلیغ نہ کریں اور یہ تسلیم کریں کہ وہ غیر مسلم ہیں۔ حکومت کی ایگریگیشن ویب سائٹ کے مطابق وزارت داخلہ غیر ملکی مشنریوں کو ملک کے اندر رجسٹرڈ تنظیموں کی طرف سے دعوت ملنے پر ویزا دیتی ہے۔ یہ ویزے ایک سال کے لیے کارآمد ہوتے ہیں اور اس دوران میں صرف ایک بار ملک میں دوبارہ داخل ہوا جاسکتا ہے۔ اگرچہ مشنری حلقے یہ بات جانتے ہیں کہ ملک سے باہر جانے والے مبلغوں کی جگہ لینے کے لیے طویل مدت کے لیے پہلی بار آنے والے مشنریوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ "متبادل" ویزہ حاصل کریں۔ ویب سائٹ کے مطابق ماسوائے بھارت سے آنے والوں کے ویزوں میں صرف دو دفعہ دوبارہ دخول کی شرط کے ساتھ دو برس کے لیے توسیع دی جاسکتی ہے۔

حکومت وقتاً فوقتاً اخبارات میں اشتہار دے کر اور پی ٹی اے کے توسط سے موبائل فونز پر پیغامات کے ذریعہ سوشل میڈیا پر توہین رسالت ﷺ اور دیگر غیر قانونی مواد کی اشاعت کے خلاف متنہ کرتی رہتی ہے۔ ان پیغامات میں بتایا گیا کہ "سوشل میڈیا پر توہین رسالت ﷺ، عریانی اور فحاشی، دہشت گردی اور دیگر غیر قانونی مواد شیئر کرنا جرم ہے۔" صارفین کو مشورہ دیا گیا کہ وہ ایسے مواد کے بارے میں حکومت کی ویب سائٹ پر اطلاع دیں تاکہ ذمہ داروں کے خلاف پی ای سی اے مجریہ ۲۰۱۶ء کے تحت کارروائی عمل میں لائی جاسکے۔

جون میں پی ٹی اے نے اطلاع دی تھی کہ سماجی روابط کے ذرائع پر توہین رسالت ﷺ اور نفرت انگیز تقاریر سے متعلق مواد اپ لوڈ ہونے کا سلسلہ جاری تھا۔ ایف آئی اے کے سائبر کرائم ونگ کی تیار کردہ ایک رپورٹ میں انکشاف کیا گیا کہ ۲۰۲۰ء میں ریاست نے گستاخانہ مواد پر مشتمل ایک سو گیارہ اکاؤنٹ، نفرت انگیز کلمات پر مشتمل ۱۴ اور فرقہ وارانہ نفرت پھیلانے کے الزام میں نو اکاؤنٹ بند کیے۔ جنوری سے جون ۲۰۲۱ء کے دوران ایف آئی اے سائبر کرائم ونگ اور پی ٹی اے نے ایک سو دس اکاؤنٹ ہٹائے، گستاخانہ مواد پر مشتمل چھپاسی اکاؤنٹ بلاک کیے، نفرت انگیز تقریر کی وجہ سے پندرہ اور فرقہ وارانہ مواد اپ لوڈ کرنے پر نو اکاؤنٹس بلاک کیے۔

نومبر میں اسلام آباد ہائی کورٹ (آئی ایچ سی) نے ایف آئی اے کے ایک عہدیدار کی سرزنش کی کہ وہ ان افراد کی شناخت اور گرفتاری میں ناکام رہا ہے جنہوں نے مبینہ طور پر سوشل میڈیا پر گستاخانہ مواد اپ لوڈ کیا تھا۔ ایف آئی اے نے عدالت کو آگاہ کیا کہ اس نے ان میں سے کچھ لنک بلاک کر دیے ہیں اور آئی ایچ سی نے اسے گستاخانہ مواد کو ہٹانے کے ضوابط کو سختی سے نافذ کرنے کی ہدایت کی ہے۔

جنوری کے اوائل میں پی ٹی اے نے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کو فلم لیڈی آف ہیون کا ٹریلر گستاخانہ مواد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ہٹانے کا حکم دیا۔ جنوری کے اواخر میں پی ٹی اے نے آئی ایچ سی کو بتایا کہ اس نے اس ماہ ویڈیو اسٹریمنگ پلیٹ فارم نیٹ فلکس پر ایک فلم کے ٹریلر کے ۴۵۲ لنکس کو گستاخانہ مواد کی موجودگی کے باعث بلاک کر دیا ہے۔

۲۲ جنوری کو پی ٹی اے نے ایک احمدی گروپ کی امریکہ میں قائم ویب سائٹ ٹرو اسلام ڈاٹ کام کو گستاخانہ مواد کی تشہیر کے الزام میں پاکستان میں دیکھنے سے بلاک کر دیا۔

۲۸ جون کو سندھ ہائی کورٹ نے آٹھ جولائی تک وڈیو شیئرنگ سماجی رابطہ ٹک ٹاک کی ملک بھر میں رسائی معطل کرنے کا حکم دیا۔ عدالت نے یہ حکم ایک شہری کی درخواست پر دیا کہ ٹک ٹاک پر بد اخلاقی اور بے حیائی پر مبنی مواد اپ لوڈ کیا جا رہا ہے۔ ۲۰ جولائی کو پی ٹی اے نے نامناسب مواد کی مسلسل موجودگی اور ہٹانے میں ناکامی کی وجہ سے ٹک ٹاک تک رسائی دوبارہ روک دی۔ پی ٹی اے کے اس اقدام پر رد عمل ملاحظہ تھا جس میں بہت سے سوشل میڈیا صارفین نے اس فیصلہ کی تعریف کی لیکن دیگر نے خدشات کا اظہار کیا کہ حکومت اسی طرح مذہبی اقلیتوں پر پابندی عائد کر سکتی ہے۔ نومبر میں پی ٹی اے نے ٹک ٹاک پر عائد پابندی ختم کرتے ہوئے بیان جاری کیا کہ "اس پلیٹ فارم کی نگرانی جاری رکھی جائے گی تاکہ پاکستان کے قانون اور سماجی اقدار سے متصادم مواد کی اشاعت کی روک تھام کی جاسکے۔"

اپریل میں حکمران جماعت پاکستان تحریک انصاف (پی ٹی آئی) کے ایک رکن اسمبلی نے قرارداد جمع کرائی جس میں فرانسیسی جریدہ میں اسلام کے خلاف گستاخانہ کارٹون کی اشاعت کے احتجاج کے طور پر فرانسیسی سفیر کو ملک بدر کرنے کے مطالبہ کیا گیا۔ اکیس اپریل کو سندھ اسمبلی نے کارٹون کی اشاعت کے خلاف اتفاق رائے سے قرارداد مذمت پاس کی اور حکومت سے ایسی کارروائیوں کے خلاف اقدامات اٹھانے کا مطالبہ کیا "جو پورے عالم کے امن و امان کے لیے خطرہ کا باعث بنتی ہیں۔" ۷ اکتوبر کو خیبر پختونخوا اسمبلی کے قانون سازوں نے بل پاس کیا کہ تمام سرکاری دستاویزات میں حضرت محمد ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ خاتم النبیین تحریر کیا جائے۔

بعض اقلیتی مذہبی گروہوں کے نمائندوں کے مطابق حکومت نے زیادہ تر منظم مذہبی گروہوں کو عبادت گاہیں قائم کرنے اور مذہبی حلقوں کے کارکنان کو تربیت دینے کی اجازت دی۔ حکومت نے یہ بھی اعلان کیا کہ ایوکیوٹرسٹ پر اپریٹی بورڈ (ای ٹی پی بی)، صوبائی حکومتوں اور سکھ اور ہندو

بین الاقوامی مذہبی آزادی رپورٹ براؤن ۲۰۲۱ء - امریکی محکمہ خارجہ - دفتر براؤن بین الاقوامی مذہبی آزادی

برادری کے درمیان اشتراک سے سال کے دوران ہندو برادری کے متعدد مندروں اور سکھ گوردواروں کی تزئین و آرائش کی جائے گی۔ ستمبر تک حکومت کے ادارے سروے آف پاکستان کی نقشہ پیمائینی نے بحالی کی منظور ۹۳ فیصد جائیدادوں کا سروے، ڈیجیٹائزنگ اور جیو ٹیگ کر چکا تھا۔ ذرائع ابلاغ نے خبر دی ہے کہ نومبر میں وفاقی ترقیاتی ادارہ (سی ڈی اے) اسلام آباد نے دارالحکومت میں تعمیر ہونے والے پہلے ہندو مندر کے مقام پر چار دیواری پر تعمیر دوبارہ شروع کرنے کی اجازت دی۔ مذکورہ منصوبہ کی مخالف مذہبی تنظیموں نے ۲۰۲۰ء میں ہائی کورٹ میں درخواست دائر کی تھی کہ مندر کی تعمیر روک دی جائے جبکہ شری پسندوں نے دیوار کا ایک حصہ بھی تباہ کر دیا تھا۔

پانچ فروری کو پولیس اور انصاف کے شعبہ میں اصلاحات کے ماہر ڈاکٹر شعیب سڈل کی قیادت میں ایک عدالتی کمیشن نے سپریم کورٹ میں ایک رپورٹ پیش کی جس میں اس بات کی تصدیق کی گئی کہ وفاقی املاک کا ٹرسٹ ملک کی ہندو برادری کے بیشتر قدیم اور مقدس مقامات کو برقرار رکھنے میں ناکام رہا ہے۔ رپورٹ کے مطابق ۳۶۵ مندروں میں سے صرف تیرہ کا انتظام و انصرام مذکورہ ٹرسٹ چلا رہا تھا جس کی وجہ سے ۶۵ مندروں کے انتظامات کی ذمہ داری ہندو برادری کے کندھوں پر تھیں اور ۲۸ کو بغیر نگرانی کے چھوڑ دیا گیا تھا۔ جنوری میں دستیاب تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق ملک بھر میں کل ۱۸۳۰ مندروں اور گوردواروں میں سے صرف ۳۱ فعال تھے۔

گیارہ جون کو سپریم کورٹ نے کراچی میں ۱۶ مربع گز پر قائم ایک تاریخی ہندو اجتماع گاہ دھرم شالا کو مسمار کرنے کا منصوبہ کا عدم قرار دیتے ہوئے کمشنر کراچی کو حکم دیا کہ دھرم شالا کو اپنے قبضہ میں لیکر مسمار ہونے سے بچایا جائے۔ عدالت نے یہ حکم نامہ ہندو برادری کے نمائندوں کی جانب سے اس شکایت کے بعد دیا کہ وفاقی املاک ٹرسٹ بورڈ نے یہ جگہ نجی افراد کے حوالہ کر دی ہے جو وہاں پر نئی عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

اگرچہ سرکاری طور پر احمدیوں پر اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے پر کوئی پابندی نہیں لیکن احمدی رہنماؤں کے مطابق مقامی سرکاری حکام نے ان کو تعمیرات کی اجازت نہیں دی اور احمدیوں کو روکا کہ وہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد نہیں کہہ سکتے۔

پورے سال کے دوران خاص طور پر تہوار کے دنوں میں اور خصوصی خطرات کے پیش نظر حکام نے شیعہ مسلمانوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کی عبادت گاہوں کو سیکورٹی فراہم کی۔ جولائی میں مذہبی اقلیتوں سے متعلق ایک عدالتی کمیشن نے مذہبی اقلیتوں اور ان کی عبادت گاہوں کے تحفظ کے خصوصی قومی یونٹ قائم کیا، جس کا زیادہ تر اقلیتوں نے خیر مقدم کیا۔ نومبر کے وسط میں خیبر پختونخوا نے اعلان کیا کہ وہاں کی حکومت نے صوبہ بھر میں مذہبی اقلیتوں اور ان کی عبادت گاہوں کے تحفظ کے خصوصی حفاظتی یونٹ قائم کر دیے ہیں۔ احمدی برادری کے نمائندوں نے تاہم یہ شکایت کی کہ ملک بھر میں ان کے قبرستانوں اور عبادت گاہوں کو حفاظتی اقدامات کی کمی کا سامنا رہا۔ اپریل میں لاہور پولیس نے مسیحی برادری کو ایسٹر کے تہوار کے موقع پر سیکورٹی فراہم کی۔ صوبائی حکومت نے گر جاگھروں کے آس پاس پولیس اور سیکورٹی اہلکاروں کی تعیناتی میں اضافہ کیا۔ ضلعی پولیس نے شہر میں گشت بڑھانے اور فوری رد عمل کے اقدامات تیار رکھنے کا بھی حکم دیا۔ اگست اور ستمبر میں حکومت نے شیعہ برادری کے محرم الحرام کے جلوسوں کو اضافی

سیکورٹی دی۔ حکام کے مطابق اسلام آباد اور راولپنڈی کے جڑواں شہروں میں پولیس اور نیم فوجی دستوں کے اُنیس ہزار جوان تعینات کیے گئے۔ اسی طرح ملک بھر میں کرسمس سے قبل گر جاگھروں کی سیکورٹی سخت کی گئی۔ پولیس نے نشانہ باز، سی سی ٹی وی اور تلاشی کا سامان بھی کلیساؤں اور کرسمس بازاروں کی حفاظت کے لیے فراہم کیا۔ سندھ میں پولیس نے کرسمس اور دیوالی جیسی تقریبات کے موقع پر، خاص طور پر کراچی میں، گر جاگھروں اور ہندو مندروں کو اضافی سیکورٹی فراہم کی۔

جولائی میں لاہور بار ایسو سی ایشن نے وفاقی وزارت داخلہ سے مطالبہ کیا کہ احمدی برادری کو عید الاضحیٰ کے موقع پر جانور ذبح کرنے سے روکا جائے۔ صوبہ کہ چیف سیکریٹری کے نام تحریر کیے گئے خط میں بار ایسو سی ایشن نے پولیس پر زور دیا کہ مذہبی رسومات میں شرکت کرنے والے احمدیوں پر توہین مذہب کے قوانین کا اطلاق کیا جائے۔ احمدی مخالف گروہوں نے سوشل میڈیا پر وسیع آن لائن مہم چلاتے ہوئے دیگر غیر مسلم برادریوں سے اس امر کی حمایت کرنے کو کہا کہ احمدیوں کو قربانی کا حق نہیں۔ تاہم حکومت نے اس ضمن میں کسی گرفتاری یا تفتیش کے واقعہ کی اطلاع نہیں دی۔

رپورٹنگ کے سال کے دوران وزارت انسانی حقوق اور تعلیم نے نصابی کتب میں نفرت انگیز مواد پر نظر ثانی کے بارے میں اقلیتی نمائندوں کے ساتھ صلاح مشورہ کیا۔

اگست ۱۶ کو وزیر اعظم عمران خان نے ملک میں رائج تین اقسام کے تعلیمی اداروں یعنی نجی، سرکاری اور مذہبی، میں اول جماعت سے پنجم تک یکساں قومی نصاب کا اطلاق کیا۔ مذہبی اقلیتوں نے اس میں تمام تعلیمی اداروں میں اسلامی تعلیمات پر زور دینے پر تنقید کی اور دلیل دی کہ آئین کے اس حکم نامہ کی سراسر پامالی ہے جس کے مطابق کسی بھی مذہب کی لازمی تعلیم نہیں دی جاسکتی جبکہ یہ اٹھارویں ترمیم کی بھی خلاف ورزی ہے کیونکہ اس کے تحت تعلیم سے متعلق امور کا اختیار صوبائی حکومتوں کے پاس ہے۔

جولائی میں ڈاکٹر شعیب سڈل کی سربراہی میں اقلیتی برادری کے معاملات سے متعلق کمیشن نے سپریم کورٹ کو تشویش سے آگاہ کیا کہ اردو اور انگریزی زبانوں کے نصاب سمیت یکساں قومی نصاب میں لازمی مذہبی تعلیم شامل کی گئی تھی جس کی وجہ سے مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے طالب علموں کو اسلامی تعلیمات حاصل کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ کمیشن نے اسلامی تعلیمات سے متعلق تمام تر نصاب اسلامی علوم کے مضمون میں شامل کرنے کی سفارش کی، کیونکہ وہ مسلمان طالب علموں کے لازمی تھا۔ لیکن اسلام پسند گروہوں نے اس سفارش کی مخالفت کی۔

اگرچہ قانون کے تحت اسکولوں میں یہ لازم ہے کہ مسلمان طالب علموں کو قرآن اور اسلامیات کی تعلیم دی جائے مگر ذرائع کا کہنا ہے کہ بہت سے غیر مسلم طلبہ کو بھی اس میں شرکت کرنا پڑی کیونکہ اُن کے سکولوں میں اُن کے مذہبی عقائد یا اخلاقیات کی تعلیم کا کوئی متوازی انتظام نہیں تھا۔ حکومت نے احمدیوں کو اجازت نہیں دی کہ وہ سرکاری اسکولوں میں اسلامی تعلیمات کی تدریس کریں۔

سول سوسائٹی کی اطلاعات کے مطابق کچھ مدارس، خصوصی طور پر غیر اندراج شدہ، انتہا پسندی اور اقلیتوں کے بارے میں عدم برداشت کی تعلیم دیتے ہیں۔ جبکہ حکومت اس رجحان کو مدارس کی رجسٹریشن اور نصاب میں اصلاحات کے ذریعہ ختم کرنے کی خواہشمند تھی۔

این جی اوز اور قانونی ماہرین مسلسل یہ کہتے رہے کہ اقلیتوں کے حقوق کا مکمل قانونی ڈھانچہ غیر واضح تھا۔ اگرچہ سرکاری طور پر وزارت قانون تمام شہریوں کے قانونی حقوق کی نگہبان ہے لیکن عملی طور پر مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری وزارت انسانی حقوق نے سنبھالی ہوئی تھی۔ انسانی حقوق کے قومی کمیشن کے پاس بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی شکایات کی تحقیق کرے لیکن قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ کمیشن کے پاس اپنی سفارشات پر عمل درآمد کرنے کے ناکافی اختیارات ہیں۔

مذہبی اقلیتی نمائندوں کا کہنا ہے کہ وفاقی سطح پر وزارت برائے قانون و انصاف، وزارت داخلہ اور وزارت انسانی حقوق اور ان کی متوازی صوبائی وزارتوں کی طرف سے اقلیتوں کے حقوق اور ان کے تحفظ سے متعلق قوانین کے اطلاق میں تسلسل نہیں ہے۔ جبکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حکومت سماجی اعتبار سے امتیازی سلوک اور نظر انداز کیے جانے کے خلاف اقدامات اٹھانے میں کچھ زیادہ سنجیدہ نہیں اور عیسائیوں، ہندوؤں، سکھ اور احمدیوں کو سرکاری طور پر کسی نہ کسی سطح پر امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور احمدی سب سے خراب سلوک کا شکار ہیں۔

اقلیتوں کے حقوق سے متعلق قومی کمیشن سال کے اختتام تک قانونی اختیار اور مسائل کے حل کے اختیارات کے بغیر فعال تھا۔ ستمبر میں کمیشن نے صدر مملکت کو درخواست دی کہ قانونی مسودہ منظور کرتے ہوئے کمیشن کو بااختیار بنایا جائے اور اس کمیشن کا چیئرمین اقلیتی برادری سے مقرر کیا جائے تاہم سال کے اختتام تک حکومت نے درخواست کے رد عمل میں کوئی بھی قدم نہیں اٹھایا۔ مذہبی آزادی کے کارکنوں اور شہری حقوق کی تنظیموں نے کمیشن کے پاس اختیارات کی کمی اور اس کے قیام کے وقت احمدیوں کی عدم نمائندگی پر تنقید کی۔ احمدی رہنماؤں نے کہا کہ ان کو کمیشن میں شمولیت کی دعوت نہیں ملی اور یہ کہ وہ غیر مسلم کی شناخت کی صورت میں کمیشن میں شامل نہیں ہوں گے۔

اقلیتی مذہبی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ انہیں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخلہ لینے کے حوالے سے امتیازی سلوک کا سامنا رہا۔

مثال کے طور پر، عیسائیوں نے ایسے واقعات کی اطلاع دی جس کو وہ امتیازی سلوک سمجھتے ہیں اور جس میں بصورت دیگر قابل عیسائی طالبعلموں کو صرف عیسائی ہونے کی وجہ سے تعلیمی وظائف سے محروم کیا جاتا رہا۔ ایک اور مثال کے مطابق ملتان کی ایک یونیورسٹی میں ایک احمدی طالبعلم کو مذہبی اقلیتوں کے مختص کوٹہ پر داخل کیا گیا لیکن بعد میں یونیورسٹی نے بغیر عذر بتائے طالبعلم کا داخلہ منسوخ کر دیا۔ تاہم لاہور ہائی کورٹ نے یونیورسٹی کو فیصلہ واپس لیکر احمدی طالبعلم کا داخلہ برقرار رکھنے کا حکم دیا۔ احمدی نمائندوں نے کہا کہ یونیورسٹیوں میں داخلہ کے وقت طالبعلموں کو جن

بین الاقوامی مذہبی آزادی رپورٹ براؤن ۲۰۲۱ء - امریکی محکمہ خارجہ - دفتر براؤن بین الاقوامی مذہبی آزادی

درخواستوں پر دستخط کرنے پڑتے ہیں اُن کے حلف نامے احمدیوں کو خود کو مسلمان قرار دینے سے روکتے ہیں۔ بیان پر دستخط کرنے سے انکار کی صورت میں طالب علم داخلہ کے مطلوبہ ضروریات کو پورا کرنے سے خود بخود نااہل ہو گئے۔ حکومت نے کہا کہ احمدی اگر مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کریں تو وہ داخلہ کے اہل ہو سکتے ہیں۔

جولائی میں کچھ طلباء اور مذہبی گروپوں نے سندھ یونیورسٹی جامشورو میں ڈاکٹریٹ کے داخلوں کے امتحان میں احمدی برادری کے بانی سے متعلق ایک سوال کو شامل کرنے پر احتجاج کیا۔ مظاہرین نے یونیورسٹی کے منتظمین کے خلاف توہین رسالت ﷺ کا مقدمہ دائر کرنے کی دھمکی دی۔ مذاکرات کے بعد یونیورسٹی نے احمدیوں سے متعلق مواد کو داخلوں کے امتحان سے ہٹانے پر رضامندی ظاہر کی۔

مذہبی اقلیتوں کے ارکان، خاص طور پر کم ذات کے ہندو اور عیسائی برادریوں، نے ایسے واقعات کی اطلاعات دیں کہ سرکاری افسران اُن کو زبردستی بے دخل کرتے ہیں اور یہ سب زمین پر قبضہ حاصل کرنے والے افراد کی ایما پر کیا جاتا ہے۔ ۲۰ ستمبر کو خیبر پختونخوا کے علاقہ لنڈی کوتل سے تعلق رکھنے والے عیسائیوں نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے اُن کے گھروں کو مسمار کرنے کے سرکاری منصوبہ کے خلاف احتجاج کیا۔ انہوں نے کہا کہ حکام نے قریب میں واقع ایک جیل کی توسیع کے لیے اُن کو گھر خالی کرنے کا حکم دیا ہے۔ متاثرہ خاندانوں نے کہا کہ ان کے آباؤ اجداد ۱۹۱۴ء سے وہاں پر مقیم ہیں اور اُن کے پاس کہیں اور رہنے کی جگہ ہی نہیں۔ اگست ۲۴ کو کراچی میں برساتی نالے کی بہتری کے منصوبہ کے حصہ کے طور پر کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن نے ایک گرگھر کو منہدم کر دیا اور کلیسا کے کچھ ارکان کو جبری طور وہاں سے بے دخل بھی کیا۔ سینٹ جوزف چرچ کو مسمار کرنے کے خلاف موقع پر اور قومی سطح پر آن لائن احتجاج کے باوجود سندھ حکومت اور کے ایم سی نے کسی قسم کے کوئی اقدامات نہیں اٹھائے۔

بعض نچلے طبقہ کی مسلم آبادیوں کے رہائشیوں نے بھی اشرفیہ کی جانب سے اُن کے خلاف تفریقی سلوک رواں رکھنے کی شکایت کی۔ نومبر کو گورکھوں نے سندھ کے شہر سن میں مدفن تیرہ ملاحوں کی باقیات قبروں سے نکال کر باہر پھینک دیں۔ ان کا کہنا تھا کہ مقامی بااثر اعلیٰ ذات کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک شخص سید ظفر حیدر شاہ نے انہیں ملاحوں کی قبریں سیدوں کے قبرستان سے ہٹانے کا حکم دیا۔ سول سوسائٹی کے نمائندوں نے اس عمل کو ذات پات پر مبنی اور انتہائی تعصب کا واقعہ قرار دیا، جس نے نچلی ذات کے افراد کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی اجازت نہیں دی۔ پولیس نے سید ظفر اور ان کے معاونین کے خلاف مقدمہ درج کیا تاہم سال کے آخر تک کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔

زیادہ تر اقلیتی مذہبی گروہوں نے سرکاری ملازمتوں کے حصول میں امتیازی سلوک کا شکار ہونے کی شکایت کی۔ حکومت پنجاب نے سنی علماء کے ایک گروپ کے دباؤ پر تین ستمبر کو مقامی حکومت کے دو احمدی ملازمین کو چکوال سے ضلع بدر کر دیا۔ محکمہ صحت کے ڈاکٹر و سیم اور دارالامان کی منتظمہ عائشہ کنول کو تین دن کے اندر تبادلے اور دوسرے ضلع میں ملازمت کی تلاش کا کہا گیا۔ مذہبی اقلیتی کارکنوں کے مطابق صوبائی حکومتیں بھی اکثر مذہبی اقلیتوں کو سول سروس میں بھرتی کرنے کے لئے کوٹہ پورا کرنے میں ناکام رہیں۔ ۲۸ ستمبر کو سپریم کورٹ نے صوبائی اور وفاقی دونوں سطحوں پر مذہبی

اقلیتوں کے لئے پانچ فیصد ملازمتوں کے کوٹہ پر عملدرآمد میں حکومت کی ناکامی پر تشویش کا اظہار کیا۔ ستمبر میں ذرائع ابلاغ نے خبر دی تھی کہ ملک بھر میں اقلیتوں کے لیے مختص تیس ہزار سے زائد سرکاری ملازمتیں خالی پڑی ہوئی ہیں۔

اقلیتوں کے حقوق پر کام کرنے والوں کا کہنا تھا کہ صفائی کے عملہ کی بھرتی کے اشتہارات میں امیدوار کے غیر مسلم ہونے کی شرط کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہا۔ اقلیتی حقوق کے کارکنوں نے ان اشتہارات کو امتیازی اور توہین آمیز قرار دیتے ہوئے تنقید کا نشانہ بنایا۔ مثال کے طور پر لاہور ویسٹ مینجمنٹ کمپنی نے خاکروب کی ملازمت کے لیے عیسائیوں کو بھرتی کرنے کا سلسلہ جاری رکھا، جس کی ایچ آر سی پی نے مذمت کرتے ہوئے کہا کہ روزگار کے اشتہارات میں واضح کیا گیا ہے کہ اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد درخواست دیں۔ ایچ آر سی پی نے کہا کہ اس طرح کے اشتہارات انسانی وقار کی توہین اور تمام شہریوں کے درمیان مساوات کی آئینی ضمانت کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

جولائی میں پنجاب پبلک سروس کمیشن نے مختلف محکموں میں ایک درجن خالی عہدوں پر بھرتی کا اشتہار شائع کیا۔ اشتہار میں کہا گیا کہ پنجاب وقف پراپرٹیز آرڈیننس ۱۹۷۹ء کی شق پنجم کے مطابق کسی بھی شخص کو اس وقت تک افسر مقرر نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو۔ مذہبی اقلیتی گروپوں نے اشتہار کو تفریق پر مبنی قرار دیا کیونکہ اس میں صرف مسلمانوں کو کمیشن میں قیادت کے عہدوں پر مقرر ہونے کا اہل قرار دیا۔

اقلیتوں کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ ایک غیر واضح رکاوٹ انہیں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر ترقی پانے سے روکتی ہے لیکن ایک این جی او کا کہنا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے محدود مواقع کے باعث بہت کم اقلیتی اراکین اعلیٰ عہدوں پر تعینات ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ فوج میں کسی اقلیتی افسر کی ترقی پر سرکاری طور پر کوئی قدغن نہیں لیکن ایک این جی او کے مطابق بہت کم عیسائی افسران جنرل کے عہدہ تک پہنچ پائے ہیں۔ احمدی افسران بہت ہی کم کرنل کے عہدے سے آگے جا پاتے ہیں اور انہیں بھی کسی سینئر عہدے پر تعینات نہیں کیا جاتا۔

سات ستمبر کو اردو اخبارات نے ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے والی آئینی ترمیم کی منظوری کے یوم تاسیس کے موقع پر رپورٹیں اور مضمون شائع کیے اور ترمیم کی منظوری میں معاونت کرنے والے سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کو خراج عقیدت پیش کیا۔

سرکاری حکام اور سیاست دان ملک کے بڑے شہروں اور مذہبی اجتماعات میں منعقد ہونے والی ختم نبوت ﷺ کانفرنسوں میں شرکت کرتے اور تقاریر کرتے رہے۔ ان کانفرنسوں کا حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت اور بنیادی اسلامی تعلیم کا دفاع کرنے کے دعویدار گروہوں نے انعقاد کیا۔ احمدی اور سیکولر ناقدین نے ایسی کانفرنسوں کو احمدیوں کے خلاف منافرت پر مبنی تقاریر ہونے کا مرکز قرار دیا۔

دریں اثنا، سات ستمبر کو جمعیت علمائے اسلام فضل (جی یو آئی ایف) نے پشاور میں ختم نبوت ﷺ کا نفرنس کا انعقاد کیا جس میں قومی اور صوبائی سطح کے ارکان پارلیمان اور رہنماؤں نے شرکت کی۔ اکتوبر ۱۴ کو بریلوی عالم مفتی منیب الرحمان نے پشاور میں کانفرنس کی میزبانی کی، جس میں متعدد سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں، وفاقی پارلیمان کے ارکان اور صوبائی قانون سازوں نے شرکت کی۔ کانفرنس میں جے یو آئی ایف کے مرکزی رہنما مولانا فضل الرحمان اور دیگر رہنماؤں نے احمدیوں کے تحفظ اور جبری گمشدگیوں کی روک تھام کرنے والے حکومتی ارکان پر تنقید کرتے ہوئے اعلان کیا کہ توہین مذہب کے قوانین کے خاتمہ کے خلاف عالمی سازشوں کی مزاحمت کی جائے گی۔ انسانی حقوق کے کارکنوں اور احمدی جماعت کے ارکان نے شکایت کی کہ حکام نے احمدی عبادتگاہوں پر حملے روکنے یا حملوں میں ملوث افراد، جو احمدیوں کی عبادتگاہوں کو مسمار کرتے، انہیں نقصان پہنچاتے، اُن پر قبضہ کرتے یا انہیں نذر آتش کرتے ہیں، کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ پولیس بھی ایسے حملوں میں ملوث رہی۔ مقامی حکام نے گزشتہ سالوں کے دوران تباہ ہونے والی احمدی عبادتگاہوں کی بحالی کی اجازت نہیں دی۔

۱۵ جنوری کو صوبہ پنجاب کے شہر نکانہ میں پولیس نے احمدی عبادتگاہ کے میناروں کو ایک چار دیواری تعمیر کر کے چھپا دیا، جس کے دوران اُن کو نقصان بھی پہنچا۔ بعد ازاں پولیس نے عبادتگاہ کے کچھ حصہ تک رسائی روک دی اور احمدی اہلکاروں کو بتایا کہ وہ متعدد مقامی حکام کی درخواست پر یہ کام کر رہے ہیں۔ ۲۶ جنوری کو پنجاب کے شہر ٹوبہ ٹیک سنگھ میں مقامی کمانڈنگ آفیسر اور متعدد مقامی شہریوں سمیت دو پولیس افسران نے احمدیوں کے ایک قبرستان میں متعدد قبروں کے کتبے توڑ دیے اور بعد ازاں اس گروہ نے ان کی عبادتگاہ میں پہنچ کر وہاں موجود احمدیوں کو حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک اپنی عبادتگاہ سے ہٹادیں۔ جب احمدیوں نے انکار کیا تو ایک مقامی شہری نے زبردستی وہ تختیاں ہٹادیں جن پر اللہ تعالیٰ کا اسم درج تھا۔ گیارہ اپریل کو پنجاب کے ضلع مظفر گڑھ میں پولیس افسران اور مقامی شہریوں نے احمدیوں کی عبادتگاہ کے مینار گرا دیے اور احمدیوں کی قبروں کے کتبوں سے اسلامی عبارات ہٹادیں۔ پولیس افسران نے وہاں پر موجود پانچ احمدیوں کو توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے الزام میں گرفتار کیا تاہم اُن کو بعد میں رہا کر دیا گیا لیکن اُن کے خلاف مقدمات کی سماعت سال کے آخر تک زیر التواء رہی۔ اس کے علاوہ اپریل میں احمدی برادری نے شکایت کی کہ نامعلوم حملہ آوروں نے پنجاب کے ایک ضلع میں احمدیوں کے نوگھروں کے باہر لگائے گئے مقدس مذہبی الفاظ کو ہٹا دیا۔ ۳۱ جولائی کو احمدی برادری نے اطلاع دی کہ مقامی پولیس نے پنجاب کے شہر فیصل آباد کے قریب ایک مذہبی بستی میں احمدی عبادتگاہ کے میناروں کی بے حرمتی کی اور انہیں مسمار کر دیا۔ یہ ضلع میں اس نوعیت کا تیسرا واقعہ تھا اس سے قبل ۱۷ اور ۲۴ جون کو احمدی عبادتگاہوں میں توڑ پھوڑ کی گئی تھی۔ احمدی کمیونٹی نے صوبہ خیبر پختونخوا میں سال کے دوران پندرہ احمدی عبادتگاہوں اور ایک سو قبروں کی بے حرمتی کی اطلاع بھی دی۔

اپریل میں احمدی برادری اور جائے وقوعہ پر موجود گواہوں نے اطلاع دی کہ پولیس کی مدد سے ایک گروپ نے پنجاب کے ضلع مظفر گڑھ میں واقع ایک احمدی عبادتگاہ کے مینار اور گنبد کو تباہ کر دیا کیونکہ قانون کے مطابق احمدی برادری کے افراد اپنے عبادتگاہوں کو مسجد نہیں کہہ سکتے یا اُن کی عبادت کے مقامات پر مساجد کی پہچان کی حامل خصوصیات کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی۔ پولیس نے عمارت کو نقصان پہنچانے کے الزام میں ہجوم کے

ارکان کو گرفتار نہیں کیا بلکہ دو احمدی افراد کو گرفتار کیا جو مسجد میں عبادت کر رہے تھے۔ پولیس نے دونوں افراد کے خلاف مقدمات درج نہیں کیے اور کچھ ہی دیر بعد انہیں رہا کر دیا۔ سال کے اختتام تک معاملہ کے بارے میں مزید معلومات دستیاب نہیں تھیں۔

کیونٹی رہنماؤں نے یہ بیان بھی دیا کہ حکومت نے اپنے غریب ترین شہریوں بشمول مذہبی اقلیتوں عیسائی اور ہندو دلتوں کو جبری مشقت سے بچانے کے لیے مناسب کارروائی نہیں کی۔ ہندو دلت انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے والوں اور پولیس مقدمات واپس لینے کے لیے اُن کے دباؤ کا شکار رہے۔

سیکشن سوئم۔ مذہبی آزادی کے لیے سماجی احترام کی حیثیت

سال بھر کے دوران نامعلوم افراد نے عیسائیوں، احمدیوں، سکھوں، سنیوں، شیعہ اور ہندوؤں پر مذہبی پس منظر کی وجہ سے حملے کیے اور اُن کو قتل کیا۔ حملہ آوروں کے منظم دہشت گرد گروہوں کے ساتھ تعلقات اکثر نامعلوم ہوتے تھے۔

پنجاب کے شہر سیالکوٹ میں ایک اسی نوعیت کے واقعہ کے نتیجے میں بین الاقوامی سطح پر شور شرابا ہوا جس میں کھیلوں کے ملبوسات بنانے والے ایک کارخانہ میں سری لنکا کے شہری اور عیسائی مذہب کے پیروکار میجر پر یا نتھا کمار پر تین دسمبر کے دن حملہ ہوا۔ ذرائع ابلاغ نے خبر دی ہے کہ ہجوم نے اس کو مار پیٹا، سنگسار کیا اور لاتیں مار مار کر ہلاک کر دیا پھر اُس کی نعش کو گھسیٹ کر سڑک پر لے گئے اور اس کو آگ لگا دی۔ سوشل میڈیا پر وسیع پیمانہ پر دیکھی جانے والی ویڈیوز میں کمار کو قتل ہونے سے پہلے اپنے تحفظ کے لیے التجا کرتے ہوئے دیکھا جاسکتا تھا۔ عینی شاہدین نے بتایا کہ اگرچہ ہجوم کے اقدامات کو تو بہن رسالت کے الزامات نے ہوا دی تھی لیکن یہ واقعہ فیکٹری کے کچھ ملازمین اور کمار کے درمیان ذاتی عداوت کی وجہ سے شروع ہوا۔ عداوت میں مبتلا کارکنوں نے کمار پر مقدس عبارات والے پوسٹروں کی بے حرمتی کا الزام لگا کر ہجوم کو اس کے خلاف آکسایا۔ پولیس کو واقعہ کی اطلاع دی گئی لیکن اہلکار اتنی کم تعداد میں آئے کہ اُن کے رد عمل کی نسبت ہجوم میں شامل لوگ کہیں زیادہ تھے اور ذرائع ابلاغ نے یہ بھی خبر دی کہ پولیس نے واقعہ روکنے کے لیے کسی قسم کی مداخلت نہیں کی۔ پنجاب کے انسپٹر جنرل پولیس راج سردار علی خان نے صحافیوں کو بتایا کہ قاتلوں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کے لیے جلد از جلد انسداد دہشت گردی کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا جائے گا۔ وزیر اعظم عمران خان نے حملہ کو ہولناک قرار دیتے ہوئے اعلیٰ سطحی تحقیقات کا حکم دیا۔

گیارہ فروری کو ایک نو عمر لڑکے نے پشاور میں اپنے کلینک میں بیٹھے ہوئے احمدی ہو میو پیٹھک ڈاکٹر عبدالقادر کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ احمدی برادری کے ارکان نے بتایا کہ عبدالقادر کو اس کے عقیدہ کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق مقامی رہائشیوں نے حملہ آور کو جائے وقوعہ پر ہی

تباہ کر لیا اور اس کو پولیس کے حوالے کر دیا جس نے تحقیقات کا آغاز کر دیا اور وہ سال کے اختتام تک پولیس کی زیر حراست تھا اور اُس کے خلاف مقدمہ چل رہا تھا۔

دوسمبر کو چار نامعلوم حملہ آوروں نے پاکستانی فوج سے ریٹائر ہونے والے پاکستانی نژاد برطانوی شخص مقصود احمد کو گولی مار کر ہلاک کر دیا، وہ پنجاب کے نکانہ صاحب میں احمدی کمیونٹی کا رکن تھا۔ اہل خانہ نے بتایا کہ اسے اس وقت گولی ماری گئی جب وہ دھر وال میں اپنے کھیتوں کو پانی دے رہا تھا۔ پولیس نے قتل کی تحقیقات کا آغاز کیا لیکن سال کے اختتام تک متاثرہ شخص کے قاتلوں کا سراغ نہیں مل سکا۔

۳۰ ستمبر کو نامعلوم حملہ آوروں نے پشاور میں ایک سکھ شخص ستنام سنگھ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ پولیس نے بتایا کہ حملہ آور جانے وقوع سے فرار ہو گئے لیکن نامعلوم حملہ آوروں کے خلاف مقدمہ درج کر دیا گیا۔ داعش خراسان نے اس حملہ کی ذمہ داری قبول کی۔

۲۵ مارچ کو گلگت سے نلتر جانے والی مسافر گاڑی پر حملہ آوروں کی فائرنگ سے چھ سنی مسلمان جاں بحق اور سات زخمی ہو گئے۔ یہ گاڑی شیعہ اکثریتی علاقہ سے گزر رہی تھی۔ پولیس نے بتایا کہ مسافروں پر یہ حملہ اٹھارہ ماہ قبل نلتر بالا سے گزرنے والے شیعہ نوجوانوں کو گھات لگا کر حملہ میں قتل کرنے کی انتقامی کارروائی تھی۔

۱۹ اگست کو پنجاب کے شہر بہاولنگر میں شیعہ جلوس پر دستی بم کے حملہ میں تین افراد ہلاک اور ۵۹ زخمی ہوئے۔ یہ علاقہ میں دو ماہ میں ہونے والا تیسرا فرقہ وارانہ حملہ تھا، جس میں چھ اگست کو شیعہ عبادت گاہ پر ہونے والا حملہ بھی شامل تھا۔

۲۴ مارچ کو ذرائع ابلاغ نے خبر دی کہ ایک نامعلوم شخص نے توہین مذہب کے الزام میں پنجاب کے شہر جھنگ میں شیعہ برادری کے ایک مذہبی عالم تقی شاہ کو قتل کر دیا۔ مذہبی اسکالر کو ۲۰۱۹ء میں بھی اسی طرح کے توہین رسالت کے الزامات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مارچ میں پولیس نے ایک مشتبہ شخص کو گرفتار کیا جس نے بعد ازاں شاہ کو قتل کرنے کا اعتراف کیا۔ سال کے اختتام تک اس مقدمہ کے بارے میں مزید معلومات دستیاب نہیں تھیں۔

۳ جنوری کو داعش کے عسکریت پسندوں نے بلوچستان کے شہر مچ میں ہزارہ شیعہ برادری سے تعلق رکھنے والے گیارہ کان کنوں کو ہلاک کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔ کونڈہ میں ہزارہ شیعہ برادری کے افراد نے بلوچستان میں کمیونٹی کے تحفظ میں حکومت کی ناکامی کے خلاف احتجاج کیا۔ انسانی حقوق کی تنظیموں نے وزیراعظم کو اُن کے اُس بیان پر تنقید کا نشانہ بنایا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ہزارہ مظاہرین کا یہ مطالبہ بلیک میلنگ ہے کہ وزیراعظم متاثرین کے لیے انصاف کو یقینی بنانے کے لیے بلوچستان کا دورہ کریں۔ تاہم چھ جنوری کو وزیراعظم خان نے فرقہ وارانہ تشدد کے خلاف سوشل میڈیا پر

ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ حکومت مستقبل میں اس طرح کے حملوں کی روک تھام کے لیے اقدامات کر رہی ہے اور وزیراعظم نے نوجنوری کوچ کا دورہ کیا تاکہ وہ اُن خاندانوں سے ملاقات کر سکیں جنہوں نے حملہ میں اپنے پیاروں کو کھویا تھا۔

سندھ اور بلوچستان میں ہندو برادری ٹارگٹ کلنگ اور اغوا برائے تاوان کے خطرات سے دوچار رہی۔ ۳۱ مئی کو نامعلوم حملہ آوروں نے بلوچستان کے شہر خضدار میں ایک ہندو تاجر اشوک کمار کو بھتہ خوری کی رقم دینے سے انکار پر قتل کر دیا۔ وڈھ میں جولائی ۲۰۲۰ء کے بعد اس وجہ سے کسی ہندو تاجر کا یہ دوسرا قتل تھا۔ اشوک کمار کے قتل کے بعد بلوچ سوشل میڈیا صارفین نے حکومت پر زور دیا کہ وہ بلوچستان میں مذہبی اقلیتوں کی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کرے۔ جون میں نامعلوم افراد نے خضدار میں ہندو تاجروں کی دکانوں کے باہر دھمکی آمیز پمفلٹ تقسیم کیے جن میں کہا گیا تھا کہ وہ خواتین گاہکوں کو اپنی دکانوں میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیں یا پھر نتائج کا سامنا کریں۔

۲۵ فروری کو سندھ کے شہر جیکب آباد میں نامعلوم حملہ آوروں نے ایک ہندو نوجوان مہیش کمار کو قتل کیا اور اس کی لاش کو آگ لگا دی۔ ہندو برادری نے احتجاج کیا اور پولیس سے ملزمان کو گرفتار کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ پولیس قتل کی تفتیش میں سست روی کا مظاہرہ کر رہی ہے جبکہ میڈیا واقعہ کی مناسب کوریج کرنے میں ناکام رہا۔

سول سوسائٹی کی تنظیموں اور ذرائع ابلاغ کا کہنا تھا کہ حکومت کی جانب سے کالعدم قرار دی جانے والی تنظیموں سے منسلک مسلح فرقہ وارانہ گروہوں بشمول ٹی ٹی پی اور ایک زمانہ میں کالعدم قرار دیا جانے والا شیعہ مخالف گروپ سپاہ صحابہ پاکستان نے مذہبی اقلیتوں کے خلاف تشدد اور دیگر بدسلوکیاں جاری رکھیں۔ امریکہ اور دیگر حکومتوں کی جانب سے دہشت گرد قرار دی جانے والی تنظیموں، جیسا کہ داعش، نے بھی پُر تشدد کارروائیاں کیں۔ ان کے حملوں کا ہدف بننے والوں میں شیعہ مسلمان اور خاص طور پر شیعہ ہزارہ برادری والے شامل تھے۔

ساؤتھ ایشیا ٹیررزم پورٹل کے مطابق ۲۰۲۱ء کے دوران مسلح گروہوں نے پانچ فرقہ وارانہ حملے کیے جبکہ ۲۰۲۰ء میں یہ تعداد دس تھی۔ فرقہ وارانہ حملوں کے اعداد و شمار اس لیے مختلف تھے کیونکہ رپورٹنگ کرنے والی تنظیموں کے پاس فرقہ وارانہ حملہ کی کوئی معیاری تشریح موجود نہیں تھی۔ صحافیوں کے مطابق مشتبہ فرقہ وارانہ حملوں کی رپورٹنگ کے دوران ذرائع ابلاغ اکثر فرقہ وارانہ گروہوں کے درمیان کشیدگی سے بچنے کی کوشش میں متاثرہ شخص کی فرقہ وارانہ شناخت ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

سنی مسلم شہریوں نے سال بھر کے دوران شیعہ برادری کے افراد پر توہین رسالت ﷺ کے متعدد الزامات عائد کیے۔ ۱۹ اگست کو سندھ کے شہر حیدرآباد میں پولیس نے ایک مبینہ توہین مذہب کرنے والے شخص کے خلاف احتجاج کرنے والے ہجوم کو منتشر کرنے کے لیے آنسو گیس کے شیل دانے اور ہوائی فائرنگ کی۔ مظاہرین نے پولیس پر دباؤ ڈالا کہ ملزم کے خلاف توہین رسالت ﷺ کا مقدمہ درج کیا جائے۔ ایک اور واقعہ میں چھ مئی

کو سنی مذہبی رہنماؤں کے ایک گروپ نے کراچی میں شیعہ عالم علامہ امجد جوہری کے خلاف شانِ صحابہ رضوان اللہ علیہ اجمعین میں گستاخی کے زمرے میں آنے والے تبصروں پر توہینِ رسالت ﷺ کا مقدمہ دائر کرویا تھا۔ شکایت کنندگان نے بتایا کہ جوہری نے شیعہ برادری کے اجتماع میں واعظ کے دوران توہین آمیز زبان استعمال کی۔ انہوں نے پولیس سے اُس کے خلاف کارروائی کرنے کی درخواست کی۔ اگلے دن پولیس نے مبینہ توہینِ رسالت ﷺ کے الزام میں جوہری کی تحقیقات کا آغاز کیا، جو کہ سال کے آخر تک جاری تھیں۔

ورلڈ وائچ لسٹ ۲۰۲۲ء کی رپورٹ میں ۲۰۲۱ء میں ہونے والے واقعات کا ذکر کیا گیا اور بین الاقوامی این جی او اوپن ڈورز نے کہا کہ ملک میں عیسائیوں کو دوسرے درجہ کا شہری سمجھا جاتا ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔ رپورٹ میں الزامات اجاگر کیے گئے کہ کووڈ-۱۹ کے دوران امداد کی تقسیم کے دوران عیسائیوں کو مسلمان کرنے کی کوشش کی گئی۔ دریں اثنا، توہین مذہب کے قوانین کو استعمال کرتے ہوئے عیسائیوں کو نشانہ بنایا گیا اور عیسائی خواتین اور لڑکیوں کو اغوا، جبری شادی اور اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔

سول سوسائٹی کے کارکنوں اور ذرائع ابلاغ نے نوجوان عیسائی اور ہندو خواتین کو مسلمان مردوں کی جانب سے اغوا کرنے اور زیادتی کا نشانہ بنانے کی اطلاع دی۔ متاثرین نے بتایا کہ حملہ آوروں نے ان کو مذہبی اقلیتی شناخت کی وجہ سے نشانہ بنایا۔ غیر سرکاری تنظیموں سینٹر فار لیگل ایڈ، اسٹینڈ اینڈ سیٹل مینٹ اور پاکستان سینٹر فار لایٹ جیسٹس کے مطابق مذہبی اقلیتی خواتین پر مردوں کی طرف سے جسمانی حملوں کی اطلاعات بھی موصول ہوئیں۔

عیسائی کارکنوں نے بتایا کہ اُن کی برادریوں کی نوجوان خواتین بھی جبری تبدیلی مذہب کا شکار رہیں۔ عیسائیوں کے آن لائن میڈیا ذرائع کے مطابق جون میں پنجاب کے ضلع گو جرانوالہ میں تیس سالہ شخص پر ایک عیسائی لڑکی کے اغوا، جبری مسلمان کرنے اور زبردستی شادی کرنے کا الزام عائد کیا گیا۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق لڑکی کے والدین نے پولیس اور عدالت کو بتایا کہ ان کی بیٹی کی عمر تیرہ سال ہے جبکہ لڑکی نے خود عدالت کو آگاہ کیا کہ اس کی عمر ۱۹ سال ہے۔

پولیس کے مطابق دو ملزمان کو تحویل میں لے لیا گیا تاہم بعد ازاں لڑکی مقامی عدالت میں پیش ہوئی جہاں اس نے بتایا کہ وہ اپنا گھر چھوڑ کر اسلام قبول کر چکی ہے اور رضا کارانہ طور پر اپنے شوہر سے شادی کر لی ہے۔ اس کے نتیجے میں عدالت نے لڑکی کو اپنے شوہر کے ساتھ جانے کی اجازت دیتے ہوئے پولیس کو مقدمہ ختم کرنے کا حکم دیا۔ لڑکی کے باپ نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ اس کی بیٹی نابالغ ہے اور عدالت کو اس کا وہ بیان قبول نہیں کرنا چاہئے تھا جس میں اُس نے رضا کارانہ طور پر مذہب تبدیل اور شادی کرنے کا اقرار کیا۔ یکم جولائی کو لاہور ہائی کورٹ نے ذیلی عدالت کے فیصلہ کو برقرار رکھتے ہوئے لڑکی کو اپنے شوہر کے ساتھ رہنے کی اجازت دی۔

ستمبر میں ذرائع ابلاغ نے خبر دی تھی کہ ایک مسلمان شخص نے آٹھ سالہ عیسائی لڑکی کو اغوا کرنے کے بعد زیادتی کا نشانہ بنایا اور اس کو پتھر مار کر قتل کرنے کوشش کی تاہم بیہوش چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ بعد ازاں پولیس نے ملزم کو عصمت دری اور گھریلو تشدد کی انسداد کے قوانین کے تحت گرفتار کیا۔ سال کے آخر تک معاملہ پر کوئی اضافی معلومات دستیاب نہیں تھیں۔

سول سوسائٹی کے ارکان نے بتایا کہ اسلام سے منحرف ہونے والے افراد اپنے خاندان یا وسیع تر معاشرہ کی طرف سے تشدد کے خوف کے باعث مختلف درجہ کی رازداری میں زندگی بسر کر رہے تھے۔

صوبہ خیبر پختونخوا میں مقامی کیلاش نمائندے مسلسل یہ شکایت کرتے آئے ہیں کہ ان کے نوجوانوں کو اسکولوں کے مسلمان اساتذہ اور دوسرے لوگوں کی طرف سے اپنے روایتی عقائد تبدیل کرنے کے لئے دباؤ کا سامنا ہے۔

سارا سال مختلف سیاسی شناخت رکھنے والی اسلامی تنظیمیں ختم نبوت ﷺ کے عقیدہ کی حمایت میں جلوس نکالتی اور کانفرنسوں کا اہتمام کرتی رہیں۔ ان جلوسوں اور کانفرنسوں کی خبریں انگریزی اور مقامی اخبارات میں شائع ہوتی رہیں اور ان میں احمدیوں کے خلاف سخت اشتعال انگیز زبان استعمال کی جاتی ہے، جس کو احمدی اپنے خلاف تشدد کا باعث سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں جے یو آئی کی کانفرنس اور جلوسوں کے علاوہ جماعت اسلامی نے بھی ستمبر میں پشاور میں ریلی منعقد کی۔ دونوں پارٹیوں نے شرعی نظام نافذ کرنے میں ناکامی پر وفاقی حکومت کو نشانہ تنقید بنایا۔ تحریک لبیک پاکستان جس کو انسداد دہشت گردی کے شیڈول اول سے نومبر میں خارج کر دیا گیا اور نے بھی چھوٹی ریلیاں منعقد کیں۔

آٹھ ستمبر کو مسلم تبلیغی تنظیم عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ﷺ نے مینار پاکستان لاہور پر ایک کانفرنس کا اہتمام کیا جس میں شامل مقررین نے حکومت پر زور دیا کہ وہ احمدیوں کی غیر اسلامی اور غیر آئینی سرگرمیوں کی تفتیش کرے اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی نافذ کرے اور احمدیوں کو اہم سرکاری عہدوں سے بھی ہٹایا جائے۔

آٹھ اکتوبر کو جے یو آئی ایف نے ملتان میں ختم نبوت ﷺ کے جلسے منعقد کیے، جن کے دوران جے یو آئی ایف کے سربراہ مولانا فضل الرحمن سمیت مقررین نے اعلیٰ سرکاری عہدوں پر احمدیوں کی تقرری روکنے کے عزم کا اظہار کیا۔

مذہبی اقلیتی برادریوں کے ارکان عقیدہ کی وجہ سے ظالمانہ، غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک اور غیر قانونی حراست کا شکار ہونے کی شکایت کرتے رہے۔ ستمبر میں ذرائع ابلاغ نے خبر دی کہ پنجاب کے شہر رحیم یار خان میں مسلمان زمینداروں کے ایک گروہ نے مسجد کے ٹل سے پانی لینے پر ایک ہندو خاندان پر مقدس مقام کی توہین کا الزام لگایا اور اس کو جسمانی بدسلوکی کا نشانہ اور برغمال بنالیا۔ میڈیا رپورٹس کے مطابق کسان عالم رام بھیل اور

۲۴ جولائی کو پنجاب کے گاؤں بھونگ کے ایک مسلمان مولوی نے آٹھ برس عمر کے ہندو لڑکے کے خلاف توہین مذہب کا مقدمہ درج کراتے ہوئے دعویٰ کیا کہ لڑکے نے دانستہ طور پر مقامی مسجد میں پیشاب کیا ہے۔ واقعہ کے رد عمل میں چار اگست کو سیکڑوں مظاہرین نے ایک مقامی ہندو مندر میں توڑ پھوڑ کی، عمارت کو جزوی طور پر جلا دیا، ہندو بتوں کو تباہ کر دیا اور قریبی شاہراہ کو تین گھنٹے تک دھرنا دیکر بلاک کر دیا۔ سات اگست کو چیف جسٹس گلزار احمد نے پنجاب پولیس کو ہدایت کی کہ وہ مندر میں توڑ پھوڑ اور لوٹ مار میں ملوث تمام افراد کو گرفتار کرے جس کے رد عمل میں پولیس نے ۹۵ لوگوں کو گرفتار کیا اور بعد ازاں انسداد دہشت گردی کی عدالتوں میں مقدمات کی سماعت کے لیے ۸۵ ملزمان کو حراست میں رکھا اور دس کو رہا کر دیا گیا۔ گرفتار افراد سال کے آخر تک تحویل میں تھے۔

مئی میں صوبہ پنجاب کے گاؤں چک نمبر پانچ میں دو سو مسلمانوں پر مشتمل ایک ایک گروہ نے ایک کیتھولک چرچ اور عیسائیوں کے ۱۵ گھروں پر دھاوا بول دیا۔ انہوں نے یہ حملہ چرچ کی صفائی کرنے والے لڑکوں پر اس الزام کے بعد کیا کہ انہوں نے ایک مسلمان شخص پر دھول پھینکی ہے۔ عیسائی برادری کے کم از کم آٹھ افراد کو شدید چوٹیں آئیں۔

عیسائیوں کی مذہبی آزادی کے کارکن نجی ملازمتوں کے مواقعوں میں عیسائیوں کے خلاف وسیع پیمانہ پر موجود امتیازی سلوک کی شکایت کرتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ عیسائیوں کو ادنیٰ درجہ کی ملازمتوں کے علاوہ ملازمت تلاش کرنے میں دشواری کا سامنا رہا جبکہ ادنیٰ درجہ کی ملازمتوں کے بعض اشتہارات میں واضح کیا گیا کہ صرف عیسائی امیدوار ہی درخواست کے لیے اہل ہیں۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ انگریزی زبان کے ذرائع ابلاغ مذہبی اقلیتوں کو درپیش مسائل کے بارے میں خبریں معروضی انداز میں شائع اور نشر کرتے ہیں جبکہ اس کے مقابلہ میں مقامی زبان کے ذرائع ابلاغ مذہبی اقلیتوں کے معاملات کی خبریں شائع اور نشر کرتے وقت تعصب برتتے ہیں اور ان میں سے بعض تو تشدد پر اگستاتے ہیں۔ احمدیوں کے خلاف اشتعال انگیز بیانیہ سوشل میڈیا پر حاوی رہا اور بعض اوقات مرکزی دھارے کی جماعتوں کے سینئر رہنما اس کی تشہیر کرتے رہے۔ برادری کے ارکان نے بتایا کہ مساجد میں ان کے خلاف معمول کی بنیاد پر بیانات کیے جاتے ہیں۔

سات ستمبر کو اردو اخبارات نے ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے والی آئینی ترمیم کی منظوری کے یوم تاسیس کے موقع پر دوبارہ رپورٹیں اور مضامین شائع کیے۔ معروف اردو اخبارات نے ترمیم کی منظوری میں معاونت کرنے والے سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کو خراج عقیدت پیش کیا۔

انسانی حقوق، مذہبی آزادی اور مذہبی اقلیتوں کے کارکنان مسلسل اس امر کا اظہار کرتے رہے کہ سماجی خوف اور عدم برداشت کے ماحول کی وجہ سے مذہبی آزادی کے حق میں گفتگو کرتے ہوئے وہ ہمیشہ محتاط رہتے ہیں اور اپنے الفاظ کو سنسر کرتے ہیں۔ کچھ کارکنوں کو ان کے کام کی وجہ سے موت کی دھمکیاں بھی ملتی رہیں۔

سیکشن چہارم: ریاستہائے متحدہ امریکہ کی حکومتی پالیسی اور اشتراک کار

امریکی ناظم الامور، قونصل جنرل، سفارتخانہ کے دیگر افسروں اور دورے پر آئے ہوئے کانگریسی وفد اور دیگر سینئر امریکی حکام، بشمول نائب وزیر خارجہ، نے توہین مذہب کے قوانین میں اصلاحات، احمدیوں سے متعلق قوانین، مذہبی اقلیتوں کے بہتر تحفظ، فرقہ وارانہ تعلقات اور مذہب کے حوالے سے باہمی احترام جیسے اہم موضوعات پر اعلیٰ سرکاری حکام، وزیر اعظم کے مشیروں، بشمول وزارت قانون و انصاف، وزارت خارجہ، وزارت داخلہ، وزارت تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت، وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کے حکام سے بات چیت کی۔

سفارتخانہ کے اہلکاروں نے سول سوسائٹی کے رہنماؤں، ماہرین اور صحافیوں کے ساتھ ملاقاتیں کیں اور ذرائع ابلاغ میں رپورٹ نہ ہونے والے مذہبی آزادی کی خلاف ورزیوں کے واقعات کی معلومات اکٹھی کیں جبکہ انہوں نے فرقہ وارانہ کشیدگی کم کرنے کے اقدامات کیلئے اعانت جاری رکھنے کا اعادہ بھی کیا۔ انہوں نے دیگر سفارتخانوں کے نمائندوں، مذہبی برادریوں کے رہنماؤں، این جی اوز اور مذہبی آزادی پر کام کرنے والے وکلاء کے ساتھ بھی ملاقاتیں کیں اور مختلف مذہب کے مابین باہمی احترام اور بات چیت کو فروغ دینے کے طریقوں پر تبادلہ خیال کیا۔ سفارتخانہ اور قونصل خانوں نے سال بھر کے دوران مذہبی آزادی کے اصولوں اور امریکہ میں بین المذاہب مکالمے کی مثال پر مبنی مواد سوشل میڈیا پر جاری کیا۔

پانچ جولائی کو امریکن مسلم اینڈ ملٹی فیتھ وومز ایسوسی ایشن اور منٹ کونسل نے مقامی بین المذاہب رہنماؤں کے تعاون سے امریکہ اور پاکستان سے تعلق رکھنے والے ہندو، سکھ، پارسی، بہائی، عیسائی اور خواجہ سرار ہنماؤں کو کراچی میں جمع کیا۔ اپنے افتتاحی کلمات میں قونصل جنرل کراچی نے امریکہ کا یہ عزم دہرایا کہ مذہبی اقلیتوں کو عدم برداشت سے آہنی دیوار بن کے تحفظ فراہم کیا جائے گا اور اس بات پر زور دیا کہ مذہبی آزادی متحرک جمہوری معاشرہ کا لازمی جزو ہے۔

سفارت خانہ اور قونصلیٹ جنرل نے مذہبی اور کمیونٹی رہنماؤں کے درمیان قیام امن کے فروغ کے لیے مقررین کو مدعو کرنے اور تربیتی نشستوں کے انعقاد جیسی عوامی رابطہ سرگرمیوں کی سرپرستی کی۔ سفارت خانہ اور لاہور، کراچی اور پشاور میں قونصل خانوں نے مذہبی آزادی کے فروغ کے لیے متعدد تقریبات منعقد کیں۔ ۲۸ اکتوبر کو لاہور میں قونصلیٹ جنرل نے رواداری اور مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے اسلام آباد کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے ایک ممتاز عالم کے ساتھ ویبنار کا اہتمام کیا۔ قونصلیٹ جنرل نے مشی گن اسٹیٹ یونیورسٹی کے اشتراک سے خواتین مذہبی علماء کے لیے ایک تبادلہ پروگرام کے لیے معاونت بھی کی جس کا مقصد متنوع بین المذاہب روایات کی تفہیم اور احترام کو تقویت دینا تھا۔

مقامی برادریوں کی استعداد کار میں اضافہ کے مقصد سے سفارتخانہ کی اعانت سے جاری اسمال گرانٹس پروگرام پر مشتمل سرگرمی پر عملدرآمد جاری رہا جس کے تحت متنوع پس منظر کے شراکت داروں، بشمول عوامی اور مذہبی رہنماؤں، سرکاری اہلکاروں، جامعات کے منتظمین، نوجوانوں اور خواتین کو مشغول کیا گیا کہ وہ نفرت انگیز مواد کی نشاندہی اور اس کو ہٹانے کی کوششیں کریں اور امن، برداشت کو فروغ دینے کے لیے کراچی، شمالی سندھ اور جنوبی پنجاب میں متنوع پس منظر کی حامل برادریوں میں کام کریں۔ سفارتخانہ نے پنجاب کے صوبائی وزیروں اور پنجاب اور سندھ کے قانون سازوں کو برداشت اور تنوع کے فروغ اور مذہبی عدم برداشت کے خاتمہ کی کوششوں میں مشغول کرنے کے سلسلہ میں متعدد سرگرمیوں کی معاونت بھی کی۔ سفارتخانہ کی اعانت سے جاری ایک منصوبہ کی توجہ کا محور مختلف مذہبی پس منظر کے حامل مذہبی رہنماؤں، بزرگوں اور نوجوانوں کی استعداد کار میں اضافہ کرنا تھا تاکہ وہ اپنی برادریوں میں بین المذاہب امن اور مساوات کو فروغ دے سکیں۔ ان کوششوں کا مقصد مختلف مکاتب فکر اور مذہبی گروہوں سے تعلق رکھنے والی برادریوں کے درمیان باہمی افہام و تفہیم، انضمام اور تعاون کو فروغ دیتے ہوئے مذہبی عداوتوں کا خاتمہ کرنا تھا۔

۱۵ نومبر کو امریکی وزیر خارجہ نے ۱۹۹۸ء کے ترمیم شدہ انٹرنیشنل ریلیجیئس فریڈم ایکٹ کے تحت پاکستان کو مذہبی آزادیوں کی سنگین خلاف ورزیوں میں ملوث رہنے یا مذہبی آزادی کی خلاف ورزیوں کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ”خصوصی تشویش کا حامل ملک“ قرار دیا لیکن اس درجہ بندی کی وجہ سے عائد ہونے والی متعدد پابندیوں سے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے اہم قومی مفادات کے تحت استثنیٰ برقرار رکھا۔

###